ظہورالدین خان امرتسری
تحریکِ پاکستان میں
مولانا عبدالحامد بدایونیؒ
کے کردار کی ایک جھلک
ادارۂ پاکستان شناسی

گاہے گاہے باز خواں

آل انڈیا مسلم لیگ کے

صد سالہ جشنِ تاسیس

۱۹۰۶ء تا ۲۰۰۵ء

کے موقع پر تحریکِ پاکستان کے مجاھد

مولانا عبدالحامد بدایونی

کا ایک ناقابلِ فراموش

خطبۂ صدارت

(۱۹۴۱ء)

تحریکِ پاکستان میں
مولانا عبدالحامد بدایونیؒ
کے کردار کی ایک جھلک

ترتیب و تدوین

ظہور الدین خان امرتسری

ادارۂ پاکستان شناسی

35- رائل پارک، لاہور 54000 فون 6363009

کتاب : "تحریک پاکستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی"
کے کردار کی ایک جھلک

مشمولات : (۱) انتخابات کے ضروری پہلو (مطبوعہ ۱۹۳۶ء)
(۲) خطبہ صدارت برائے پاکستان کانفرنس (مطبوعہ ۱۹۴۱ء)
از: مولانا عبدالحامد قادری بدایونی

ترتیب و تدوین : ظہورالدین خان امرتسری

طبع جدید : ذی قعد ۱۴۲۶ھ / دسمبر ۲۰۰۵ء

صفحات : ۹۶

بسعی و اہتمام : سید اویس علی سہروردی

ناشر : ادارۂ پاکستان شناسی، ۳۵۔ رائل پارک لاہور ۵۴۰۰۰ فون: ۹۳۶۳۰۰۹

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت : پچاس روپے

تقسیم کار : اورینٹل پبلی کیشنز،
جمیل ۲۰ دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ لاہور فون: ۷۲۱۳۵۷۸

ترتیب

گزارش احوال واقعی ۵ ظہورالدین خان

انتخابات کے ضروری پہلو
۳۵۔۴۰

مسلم لیگ نمایندگی کی کیوں مستحق ہے؟...... مسلم لیگ کے اصول...... رائے دہندگان کا فرض...... نمایندگان کا قومی فریضہ...... ممبران اسمبلی کے انتخاب کی غرض و غایت...... ممبروں کا معیار قابلیت...... رائے دہندگان کے حقوق...... ووٹ حاصل کرنے کے ناجائز حربے......

مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک پاکستان ۴۱ خواجہ رضی حیدر
چند تاریخی حقائق
۵۲ سید محمد فاروق القادری
خطبۂ صدارت پاکستان کانفرنس بمقام لُدھیانہ (اگست ۱۹۴۱ء)
۶۳-۹۴
لدھیانہ کی اہمیت ...... تاریخ ماضی کا تذکرہ ...... قیام کانگریس ...... انگریزی تعلیم ...... مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا آغاز ...... مسلم لیگ کا قیام ...... مسٹر گوکھلے اور مسلمانوں کے حقوق کا اعتراف ...... مولانا محمد علی کی سیاسیات میں شرکت ...... تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان ...... مسجد کانپور کا المناک حادثہ ...... جنگ طرابلس و بلقان اور مسلمانانِ ہندوستان ...... ہندو مسلم اتحاد کی مساعی ...... میثاق لکھنو ...... مولانا محمد علی و شوکت علی پر حکومت کا عتاب ...... تحریک خلافت اور کانگریس ...... مسٹر گاندھی اور ان کے رفقاء کا طرزِ عمل ...... شدھی و سنگھٹن ...... نہرو رپورٹ ...... مسلم کانفرنس کا قیام ...... گول میز کانفرنس ...... ۱۹۳۵ء کا ایکٹ ...... تحریک اتحاد مسلمین اور مسلم لیگ کی تنظیم نو ...... نتیجۂ انتخاب ...... کانگریسی وزارتوں کے کارنامے ...... کانگریس اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ ...... مسلمانوں کا عزم و ثبات ...... ضمنی انتخابات میں کانگریس کی ناکامیاں ...... مجلس خلافت اور مسلم لیگ ...... مسلم لیگ کی تنظیم جدید اور دستوری تبدیلیاں ...... مکمل آزادی، واحد نصب العین ...... مسلم لیگ اور کانگریس کا اصل اختلاف ...... کانگریس کی طرف سے مرکز کا مطالبہ ...... تقسیم ہند یا پاکستان ...... پاکستان یا اسلامی حکومت ...... شبہات کا ازالہ ...... پاکستان کے فوائد ...... مجلس احرار سے خطاب ...... کارکنان مسلم لیگ اور نوجوانان ملت سے خطاب ......

گزارشِ احوال واقعی

تاریخ شاہد ہے کہ پاکستان کا قیام کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برعظیم کے مسلمانوں کی ایک طویل جدوجہد ہے۔ اس جہد مسلسل کی قیادت مختلف ادوار میں ملت کے جید رہنما کرتے رہے۔ آزادی کی یہ جنگ برعظیم کے گوشہ گوشہ اور نگر نگر میں لڑی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانانِ برعظیم نے اپنی منزل کو پالیا۔ ہمارے اسلاف نے بے شمار قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی۔ تحریک آزادی کی سینکڑوں شخصیات ابھی تک پردۂ اخفاء میں ہیں اور ان گنت ایسے بھی لوگ ہیں جن کے کارہائے نمایاں تاحال یکجا نہیں کیے گئے۔

قیام پاکستان، تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ لوگ کچھ کم اہمیت کے حامل ہیں جن کے مجاہدانہ کارناموں سے تحریکِ پاکستان کا قافلہ رواں دواں رہا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اُن نمایاں ترین سیاسی اور مذہبی راہنماؤں میں سے ہیں جنہوں نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ ہم جہاں قومی سطح پر تحریک قیام پاکستان کے مختلف ادوار اور مختلف پہلوؤں پر کوئی قابل قدر کام نہ کر سکے وہیں "یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء کے رول پر کوئی مبسوط اور مخصوص کام ابھی تک نہیں ہوا۔"[1] تحریک پاکستان

[1] ایچ۔ بی۔ خان "برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار" (بیسویں صدی میں ۱۹۲۰ء تک) قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ طبع اول ۱۹۸۵ء، مقدمہ صفحہ ل

کے بعض کارکنان کے خیال میں "یہ کام مسلم لیگ کو کرنا چاہئے تھا کہ وہ اکابر تحریک پاکستان کے تاریخی کردار سے قوم کو آگاہ کرتی مگر ایسا نہیں ہو سکا جو قابل افسوس ہے۔" چناں چہ آج ہمارے طالب علم ہی کیا کئی استاد بھی تحریک پاکستان کا مکمل شعور نہیں رکھتے ..... اور پروفیسر سید صغیر حسین کے بقول.... تعلیمی اداروں میں اساتذہ اور طلبہ تک وہ نہ رہے جو ہونے چاہئیں تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقصدیت سے بے بہرہ نسل تیار ہوتی گئی۔ یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ ہماری نصابی اور غیر نصابی کتب کو تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے حقیقی مجاہدین وقائدین کے احوال سے بوجوہ محروم رکھا گیا ہے۔

بعض لوگ مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ دوقومی نظریہ جو پاکستان کی اساس ہے، اس کا بطلان کیا جائے۔ حال آں کہ دوقومی نظریہ حقیقت ثابتہ ہے، تحریک پاکستان کے جوش اور جذبہ کے پیچھے "دینی عصبیت کارفرما تھی۔ تحریک کے راہنما "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کا فلک شگاف نعرہ بلند کر رہے تھے۔ اس نعرے نے رنگ، نسل، علاقائیت، لسانی اور فرقہ وارانہ اختلاف حرف باطل کی طرح مٹا دیئے تھے، لیکن اس نعرے کو عوام تک پہونچانا مسلم لیگ کے چوٹی کے عمائدین کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ تو "صاحب سر اور نواب" تھے اور عوام سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ان تک ایک عام آدمی کی پہونچ نہ تھی ..... یہ علماء اور مشائخ ہی تھے جنھوں نے عوام کو باور کرایا کہ مسلم لیگ "صاحبوں" کی جماعت نہیں بلکہ یہ ان کی اپنی جماعت ہے جس کی اساس لا الٰہ الا اللہ پر اٹھائی گئی ہے۔ قرار داد لاہور مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے پیش کی تو اس کی تائید کرنے والوں میں مولانا عبدالحامد بدایونی پیش پیش تھے ..... یہ ایک

اٹل حقیقت ہے کہ اگر علماء ومشائخ تحریک پاکستان میں شامل نہ ہوتے تو مسلم لیگ عوامی جماعت نہ بنتی اور نہ ہی اس جماعت کا پیغام لوگوں کے دلوں میں اترتا۔"[1] چناں چہ وہ قائدین جنھوں نے پشاور سے لے کر راس کماری تک اور کوئٹہ سے لے کر چٹاگانگ تک مسلم بیداری کے لئے بھاگ دوڑ کر کے مسلم انڈیا میں پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا اور قائد اعظم کی قیادت میں مسلم امّہ کے ادھورے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا ان میں حضرت بدایونی کا نام بہت نمایاں ہے۔

ایک مفکر کا قول ہے کہ وہ قوم جو اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر ہے اس قابل نہیں کہ دنیا میں زندہ رہے۔ بدقسمتی سے ہم ایک ایسی ہی قوم ہیں۔ اپنے محسنین کو ہم نے فراموش کر دیا ہے اور ان کے کارہائے نمایاں کو طاق نسیان بنا دیا ہے حد یہ ہے کہ ہم نے بانیٔ پاکستان تک کے فرمودات کو کلیتاً نظر انداز کر دیا ہے نتیجہ ظاہر ہے۔ دراصل ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کی وفات کے بعد مسلم لیگی زعماء ذاتی اغراض اور کرسی نشینی کی جنگ میں الجھ گئے اور ارباب بست وکشاد، اقتدار کی حریصانہ کشمکش (ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے) اور اختیار کی رسہ کشی کی تاریخ مرتب کرنے لگے اور مقصد حقیقی سے غافل ہو گئے۔ اصل پاکستان کے خواب کیا تھے اور تعبیر کیا نکلی۔ یہ ایک دردآمیز داستان ہے۔ چوں کہ مذکورہ خرابی ہمارے ہاں ابتداء ہی سے در آئی تھی اس لئے تحریک پاکستان کے بعض بہی خواہ وقتاً فوقتاً اصلاح احوال کی جانب توجہ بھی دلاتے رہے، چناں چہ مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبدالستار خاں نیازی (مرحوم) نے اپنی خود نوشت سوانح "ہوتا ہے جادہ پیما" میں اس کا ذکر کیا ہے جس کا یہاں تذکرہ بے جانہ ہو

....

[1] محمد اسلم، پروفیسر: گزارش احوال واقعی۔ "تحریک پاکستان اور مشائخ عظام" از محمد صادق قصوری۔ ریاض برادرز طبع اول ۱۹۹۶ء ص ۳۔ ۷

گا اور بانیٔ پاکستان کی وفات کے بعد کے نظریاتی، اخلاقی، ثقافتی اور سماجی قدروں کے زوال اور (اندرونی) سیاسی خلفشار کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ''فکری انتشار اور ذہنی طوائف الملوکی کا احساس'' کے عنوان سے مولانا مرحوم لکھتے ہیں کہ

''جس اجتماعی فساد اور ملی انتشار کا احساس کرتے ہوئے ہم نے ۱۹۵۰ء میں آل پاکستان مسلم لیگ کونشن کے ذریعے ملک کو ایک مربوط اور مبسوط منشور کے ذریعے وحدت فکر کی دعوت دی تھی، سرکاری درباری مسلم لیگ کو اُس وقت اس کی اہمیت کا اندازہ نہ ہوا اور بدستور اقتدار کی چھینا جھپٹی اور کرسیوں کی تقسیم میں مگن رہے۔ بالآخر مسلم لیگ کی ہیئت انتظامیہ میں مُضمر خرابی میں کارپردازائے جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی بدلے ہوئے حالات میں قوم کو ایک قابل عمل اور مقبول اور پسندیدہ لائحۂ عمل پیش کریں۔ چناں چہ ۲۴ر۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۵۶ء کو ہمارے کونشن کے پورے ساڑھے چھے سال بعد مغربی پاکستان مسلم لیگ کانفرنس کا انعقاد باغ بیرون موچی دروازہ، لاہور میں ہوا جس میں صدر مجلس استقبالیہ (میاں امیر الدین، ۱۸۸۹ء تا ۱۹۸۹ء) نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں اعتراف شکست کے طور پر کہا کہ

''اس اہم اور نازک وقت میں ملک کو پھر اس قیادت کی ضرورت ہے جو اسلام کے ملی تصورات اور اس کے اجتماعی نظام سے ہمدردی رکھتی ہو اور نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر اور قسطنطنیہ سے کراچی اور انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی عالمگیر مُسلم

قومیت کی علمبردار اور جس کے تمام عزائم مسلمانوں کی خواہشات اور تخیلات کا عکس اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اس قسم کی قیادت کی ضرورت کو مسلم لیگ کے علاوہ اور کوئی جماعت پورا نہیں کر سکتی۔ اور اس کانفرنس کا بھی یہی مقصد ہے کہ مسلم لیگ کس طرح اپنا پرانا مقام اس ملک کے مسلمانوں کی قیادت کے لئے پھر حاصل کر سکتی ہے؟

یہ سوال جس قدر اہم ہے اُسی قدر مشکل ہے۔ اس کے صحیح جواب کے حصول کے لئے کافی فراخ حوصلگی اور جرأت کی ضرورت ہے۔ ہم کو اگر ایک روشن مستقبل کی بنیاد رکھنی ہے تو اپنے ماضی اور حال پر پوری ہمت اور صداقت کے ساتھ تنقید اور احتساب ناگزیر ہے۔ ہم آج یہاں اس لئے جمع ہیں کہ اپنے ماضی کے ہر اُس گوشہ کو تلاش کریں، جو ہماری لغزشوں اور کمزوریوں سے داغدار ہے۔ اور اپنی اور اپنے رہنماؤں کی ہر غلطی اور کمزوری کو ظاہر کریں، جس نے مسلم لیگ کی قیادت سے ملک کو محروم کر دیا۔ اگر آج ہم نے اپنے فرض میں کوتاہی کی اور چند عہدوں کی خاطر رہنماؤں سے خوف کھا کر حق بات کو چھپایا تو یقین کیجئے مسلم لیگ اس دلدل سے کبھی نہیں نکل سکتی۔ جس میں خود ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے آج پھنس گئی ہے۔''[1]

[1] امیر الدین، میاں، خطبۂ استقبالیہ، مغربی پاکستان مسلم لیگ ورکرز کانفرنس، مطبوعہ عادرو پریس، لاہور ۱۹۵۶ء، ص ۴۔۵ (عبدالستار خان نیازی، مولانا محمد۔ ''ہوتا ہے جادہ پیما'' قلمی مسودہ مملوکہ ظہور الدین خاں)

جب پاکستان بنا تو زمامِ کار سنبھالنے والوں میں اکثر ایسے لوگ تھے جو قوم کو اس کی منزل سے دور لے گئے اور "پاکستان کے قیام کا مقصد پورا کرنے کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم نہ کی۔"[1]

اوپر کی سطور میں آپ نے سن پچاس اور پچپن کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائی، پھر کیا ہوا یہ ایک طویل کہانی ہے۔ 'چھینا جھپٹی اور مفاد پرستی' سے عبارت ہماری قومی تاریخ کا نوحہ لکھنے والے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

"ملک پر مفاد پرستوں کی گرفت شروع ہی میں مضبوط ہو گئی تھی۔ متروکہ جائداد زہر قاتل کی طرح معاشرے میں داخل ہو گئی اور حرص و ہوس کا بازار ایسا گرم ہوا کہ لوگوں کا حلیہ بدل گیا۔ نو دولتیوں، شعبدہ بازوں اور گرہ کٹوں کی بن آئی ..... پھر یہ ظاہر ہونے لگا کہ مسلمانوں کا تہذیبی ورثہ وہ نہیں تھا جو تحریک پاکستان کے وقت بیان کیا گیا تھا اور اسلامی قدریں وہ نہیں تھیں جن کی تشریح علامہ اقبال اور قائداعظم نے کی تھی۔ گویا [illegible]ن کی تفسیر قبائلی سرداروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے پاس تھی اور جو بھی ان کے مفاد کا مخالف تھا وہ قوم و ملک کا مخالف ٹھہرایا گیا۔"[2]

اور بقول سید سبط الحسن ضیغم ..... "پاکستان میں گزشتہ سالوں سے نکلسن، سنڈیمن، ہیپر، ہڈسن، گف، کچز اور ایچی سن کے پروردگان کاسہ لیسوں کی اولاد ہی کا راج ہے، جنہوں نے پاکستان کو انتہائی بدترین حالات سے دوچار کر کے ایسی دلدل

---

[1] دیکھئے۔ انٹرویو، میر معظم علی علوی، ڈاکٹر از نجم الحسن عارف۔ هفت روزہ "زندگی" لاہور ۷ تا ۱۳ نومبر ۲۰۰۴، ص ۲۷ کالم ۳

[2] اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر۔ "گرد راہ"، مکتبہ دانیال، کراچی۔ طبع اول ۲۰۰۰، ص ۱۵۷ و ۱۵۸

خطبۂ استقبالیہ

میاں امیرالدین ایم ایل اے

صدر مجلس استقبالیہ

مغربی پاکستان مسلم لیگ ورکرز کانفرنس

۲۴، ۲۵ نومبر ۱۹۵۶ء باغ بیرون موچی دروازہ لاہور

میں پڑھا گیا

سرورق: کتابچہ "خطبۂ استقبالیہ" از میاں امیرالدین مطبوعہ اردو پریس لاہور ۱۹۵۶ء

میں پھنسا دیا ہے کہ ایک بار پھر لوگ مایوس اور پریشان دکھائی دے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک بحران سے نکلتے ہیں تو دوسرے میں پھنس جاتے ہیں۔ آزادی کی قدر و قیمت اور اس کا احساس بھی انہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہوں نے اس غیر معمولی نعمت کے لئے نسل در نسل خون دیا ہو"[1]..... لیکن ایسا لگتا ہے کہ پاکستان، پاکستان دشمنوں کے لئے بنا ہے اور اس کے بنانے والوں کی اولادوں کا بھی آج پتہ نہیں چلتا۔ کیوں کہ بقول سردار عبدالرب نشتر، منزل پر وہ لوگ قابض ہو گئے جو شریکِ سفر ہی نہ تھے۔

مذکورہ طبقہ، جو انگریزوں کے مراعات یافتگان خان بہادر اور سرداروں کی اولاد ہے، نے پاکستان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی، لیکن حکمرانی کو اپنا دائمی حق سمجھتا ہے۔ آزادی یقیناً ایک بڑی نعمت ہے مگر انہوں نے بتدریج اس کی آزادی کو اقتصادی غلامی میں بدل دیا ہے۔ آج ملکی معیشت کا مسئلہ ہر خاص و عام کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے کہ آیندہ کی نسلیں بھی قرضوں کی لپیٹ میں جکڑ دی گئی ہیں..... اگر ایک طرف عام آدمی ہے جو فلاکت زدہ خستہ حال اور دو وقت کی نانِ جویں کا محتاج ہے تو دوسری جانب حکمران اور ان کے بھائی بند (سرمایہ دار اور جاگیردار) الللے تللے کر کے عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن بے کس، ناچار، مفلس و نادار عوام کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ بیروزگاری کو اپنی قسمت سمجھیں، اس غربت، بھوک، افلاس اور بیماری کو ہی اپنا مقدر تسلیم کر کے اس نظامِ زر کے تابع ہو جائیں۔ پچھلے ستاون (۵۷) سال سے یہ عمل جاری ہے"[3]..... لیکن یہاں ہمیں اس بات کی بھی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ سرمایہ

ا۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ راکتوبر ۱۹۹۸ء بعنوان: "کالے خان شہید اور نکلسن کی یاد" از سید سبط الحسن ضیغم

۲۔ محمد اشرف لودھی، انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ ماہنامہ ساحل، کراچی مارچ ۱۹۹۳ء، ص ۲۵

۳۔ روزنامہ آواز، لاہور ۱۰ رجنوری ۲۰۰۵ء، ص ۳ مضمون "پاکستانی ریاست کا سیاسی خلفشار" از ڈاکٹر [illegible] خان

دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے بارے میں بانیٔ پاکستان کے خیالات کیا ہیں یا پھر انہوں نے لاکھوں غریب غرباء اور مسکینوں کے افلاس کو دور کرنے کے لئے کیا کہا ہے؟..... اس مسئلہ کو وہ کس قدر اہمیت دیتے تھے اور اسلام کے معاشی نظام کو وہ کتنا مقدم سمجھتے تھے۔ چناں چہ آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں (۳۰) سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی ۲۴ راپریل ۱۹۴۳ء میں قائداعظم اپنے صدارتی خطبہ میں مسلمان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو انہیں اپنے فرائض سے تغافل پر متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"یہاں میں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے خرچ سے بڑھتے ہیں اور ایسے انتظامی طرز کے ذریعہ سے جو نہایت مجرمانہ اور پُر فساد ہے اور جس سے ان کو اس قدر خود غرض کر دیا ہے کہ ان سے بدلائل گفتگو کرنا دشوار ہے۔ عوام سے جلبِ منفعت ان کی رگ و پے میں داخل ہے وہ اسلام کا درس (اسلام کے احکام) بھول گئے ہیں (یا وہ اسلام کی تعلیم کو فراموش کر بیٹھے ہیں)۔ لالچ اور خود غرضی نے ...وا ایسا کر دیا ہے کہ خود ان کو اپنی فربہی کے لئے دوسروں کے مفاد پامال کروا لینے میں کوئی باک نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم آج بااختیار نہیں ہیں۔ آپ کہیں دیہات میں جایئے۔ میں نے دیہات دیکھے ہیں وہاں ہمارے لکھوکھا ہم قوم ہیں جنہیں بمشکل دن میں ایک مرتبہ غذا ملتی ہے۔ یہ تمدن ہے؟ یہ پاکستان کا حصہ ہے؟ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ لاکھوں آدمی اس طرح لوٹے گئے اور ان کو ایک وقت بھی کھانا نہیں

ملا ہے۔ اگر پاکستان کا تصور یہ ہے تو وہ مجھے نہیں چاہیے۔ اگر وہ عقل مند ہیں (یعنی امراء اور سرمایہ دار) تو انہیں چاہیے کہ دور حاضر کے حالات (نئے حالات) کے ساتھ ساز کریں (مطابق ڈھال لیں)۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو خدا ان کی مدد کرے (تو پھر اللہ ہی ان کی مدد کرے تو کرے یا پھر خدا ان کے حال پر رحم کرے) ہم تو ان کی (کوئی) مدد نہیں کریں گے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنے اوپر اعتماد کریں۔ ہمیں پس وپیش نہیں کرنا چاہیے وہ ہمارا مطمع نظر ہے ہم اسے حاصل کریں گے۔"[1]

اسلام نے معاشی مسئلہ پر شدید زور دیا ہے چناں چہ قائداعظم (اور تحریک پاکستان کے ہراول دستے کے دیگر مذہبی وسیاسی زعماء) نے بھی پاکستان کی معیشت کو ہمیشہ اور ہر جگہ اہمیت دی ہے تاکہ معرض وجود میں آنے والی عظیم مملکت پاکستان میں عوام بالخصوص غریب طبقہ احساس محرومی کا شکار نہ ہو..... آج بھی تقاضائے وقت ہے کہ ہمیں اقبال وقائد کے فرمودات پر عمل پیرا ہو کر اپنی تمام تر توجہ اصلاح احوال کی جانب مرکوز کرنی چاہیے اور ان کی تشریحات کی روشنی میں صحیح معنوں میں، مسلم پاکستان کو حقیقی اسلامی فلاحی رفاہی ریاست (Muslim Welfare State) میں تبدیل کرنا چاہیے جس کے لئے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان رسائل کی از سر نو

[1] "حضرت قائداعظم کا خطبہ صدارت"۔ شائع کردہ مسلم لیگ صوبہ پنجاب، مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس، لاہور۔ اشاعت اول ۱۹۴۳ء، ص ۲۹۔۳۰

قائداعظم کا پیغام (مرتب) قاسم محمود، سید۔ مطبوعہ الفیصل، لاہور ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۹

پاکستان تصور سے حقیقت تک (تالیف وترجمہ) غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر۔ بزم اقبال، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۱۶۴

اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے ممتاز، مخلص اور معتمد رفقاء سے بھی رہنمائی حاصل کی جائے جنہوں نے ان کی قیادت میں حصول مقصد کے لئے زبردست جدوجہد کی..... "برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کا مقصد کیا تھا اور کیا قیام پاکستان سے وہ مقصد پورا ہو گیا؟" اس سوال کا جواب مولانا بدایونی کی زبانی سنیے، وہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو۔ ان کی سیاسی اور خارجی پالیسی اس قدر آزاد ہو کہ غیر ممالک اس میں مداخلت نہ کر سکیں، مسلمانوں کا معاشرہ اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے اتنا بلند ہو کہ اس کی قدریں قرآن وحدیث کی قدروں سے متحد ہوں۔ قیام پاکستان سے منزل کی راہیں تو متعین ہو گئیں مگر مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ جن اصولوں کے لئے ہندو مسلم جنگ کا آغاز ہوا تھا وہ ہنوز تشنہ ہیں۔ قیام پاکستان کے ذریعہ بعض مبادیات تو پورے ہو گئے، لیکن اغراض کلیتاً پوری نہیں ہو سکیں۔"[1]

مذکورہ اقتباس کے بعد یہ حوالہ بھی پڑھ لیجئے:

....."عامۃ المسلمین نے حصول پاکستان کے لئے جس قدر جدوجہد کی وہ صرف اس مقصد کے [illegible] کہ "دولت پاکستان" خالص اسلامی حکومت ہو گی اور اس کا دستور ونظام خالص اور صحیح اسلامی دستور ونظام ہو

[1] روزنامہ جنگ کراچی۔ استقلال پاکستان ایڈیشن ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء، انٹرویو مولانا عبدالحامد بدایونی مرتبہ حافظ محمد اسلام

گا۔ مسلمانوں نے اس مقصد عظیم کے لئے جو قربانیاں کیں اور اس راہ میں ان کو جس قدر آلام و مصائب اور قیامت خیز خونی انقلاب سے دوچار ہونا پڑا۔ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، لیکن اگر اب بھی وہ مقصد حقیقی حاصل نہ ہوا تو یہ ملتِ اسلامیہ کی انتہائی بدقسمتی بلکہ اس کی موت ہوگی اور یہ سب قربانیاں خاک میں مل جائیں گی۔'' [1]

جیسا کہ پاکستانی حکمرانوں نے (فی الواقع) کبھی ایسی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا کہ وہ صدق دل سے ''اسلام کے اعلیٰ وارفع اصول جن کے عملاً نفاذ کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا'' کو کبھی انفرادی، اجتماعی، عوامی، حکومتی بلکہ کسی سطح پر بھی نافذ کرنے کی کوشش کرتے، تمام سابقہ حکومتوں خواہ وہ سول حکومتیں ہوں یا فوجی، مسلم لیگی یا غیر مسلم لیگی حکومتیں تھیں، نے پاکستان کے بنیادی اسلامی نظریہ سے مسلسل روگردانی کی حال آں کہ پاکستان کی اساس ہی نظریاتی ہے اور یہ نظریہ اسلام ہے۔

اس طرح قیام پاکستان کا حقیقی مقصد حاصل نہ کرنے پر مولانا بدایونی بسوز دل ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ دیکھئے!

''جس ملک کو کتاب وسنت کی اساس پر بنایا گیا آج وہاں کتاب وسنت اور مذہب کے ساتھ کیا کھیل ہو رہا ہے؟'' [2]

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ جو ہم کو دُکھ تھے کچھ لا دوا نہ تھے

---

[1] ''روئداد مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان لاہور'' مرتبہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، مولانا۔ مطبوعہ امرت الیکٹرک پریس لاہور ۱۹۴۹ء، ص ۱۴

[2] اثرات سوز دروں (مرتب) مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی، شائع کنندہ شاہ احمد نورانی صدیقی، مولانا۔ کراچی طبع اول ۱۹۵۷ء، ص ۱۱۱

زیر نظر مطبوعہ تاریخی خطبہ صدارت مولانا عبدالحامد بدایونی نے اگست ۱۹۴۱ء میں بھارت کے ضلع لدھیانہ میں منعقدہ ''پاکستان کانفرنس'' میں پڑھا تھا۔ اس پر ''گزارشِ احوال واقعی'' کے یہ صفحات قلم بند کئے جاچکے، تو مولانا بدایونی کی ایک اہم تالیف بعنوان ''انتخابات کے ضروری پہلو'' مطبوعہ عثمانی پریس بدایوں ۱۹۳۶ء نظر سے گزری، جسے آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر رو ڈیل لکھنؤ سے شائع کیا گیا تھا۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جوں جوں نئے آئین کے نفاذ کا وقت قریب آرہا تھا، ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں تیز ہو رہی تھیں۔ کانگریس نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں فیض پور (یو۔ پی) کے مقام پر منعقد ہونے والے اجلاس میں بڑی رد وکد کے بعد صوبائی اسمبلیوں میں اپنے نمائندے بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس غرض کے لئے ایک کل ہند پارلیمنٹری بورڈ بھی وضع کیا گیا، جس کے ذمے یہ کام تھا کہ مجالس قانون ساز کے لئے موزوں کانگریسی امیدواروں کا انتخاب کرے۔ مذکورہ صوبجاتی انتخابات ۱۹۳۷ء میں سارے گیارہ صوبوں میں منعقد ہونے تھے، جس میں ووٹروں کی مجموعی تعداد ساڑھے تین کروڑ تھی جو ان علاقوں کی کل آبادی کا گیارہ عشاریہ پانچ (۱۱.۵) فی صد تھا۔ مسلم لیگ نے بھی ان انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ ''ملک کو اس وقت جن حالات کا سامنا تھا ان کے پیش نظر آئین میں صوبوں کے بارے میں شامل اسکیم، وہ جیسی بھی تھی کا فائدہ اٹھایا جائے۔'' [1]

مورخہ ۲ رجولائی ۱۹۳۵ء کو منظور کیا جانے والا..... گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء برطانوی حکومت کی طرف سے ۱۹۴۷ء میں انتقال اقتدار تک ہندوستان میں

---

[1] تحریک پاکستان مرتبہ ڈاکٹر محمد عارف، مطبوعہ پروگریسو پبلشرز، لاہور طبع اول ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۶

نافذ رہا۔ اس قانون کی رو سے صوبائی خود مختاری (جسے ۱۱ جنوری ۱۹۳۷ء کے عمومی انتخابات نے قابل اعتماد بنا دیا) عمل میں آئی اور اقلیتوں کے تحفظات کے سلسلہ میں گورنروں کو خاص اختیارات دیئے گئے۔ تب ہی سندھ کو بمبئی سے الگ صوبہ تسلیم کیا گیا..... اس ایکٹ کا نفاذ یکم اپریل ۱۹۳۷ء سے ہوا۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے دو حصے تھے۔ ایک کا تعلق صوبائی اسمبلیوں سے اور دوسرے کا تعلق پورے ہندوستان میں ایک متحدہ فیڈریشن کے قیام سے تھا۔ صوبائی اسمبلیوں کی اہمیت اس خیال سے اور بڑھ گئی تھی کہ آیندہ فیڈریشن کی مرکزی اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب صوبوں کی مجالس قانون ساز کے ذمے تھا۔ اس لئے ظاہر ہے ان مجالس میں جس جماعت کے ارکان کی اکثریت ہوتی، وہی جماعت فیڈرل اسمبلی میں بھی اپنے نمایندے بھیج سکتی تھی۔

مسلم لیگ نے ان عمومی انتخابات کے لئے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنے آل انڈیا کے بمبئی اجلاس میں مسٹر جناح کو اختیار دیا کہ "وہ اپنی صدارت میں ایک مرکزی الیکشن بورڈ کا قیام عمل میں لائیں اور ہر صوبہ کے مقامی حالات کے پیش نظر مختلف صوبوں میں صوبجاتی الیکشن بورڈ قائم کر کے مرکزی بورڈ سے ان کا الحاق کریں۔"[1] چناں چہ مسلم لیگ نے چون (۵۴) ارکان پر مشتمل ایک پارلیمانی بورڈ قائم کیا۔ مسلم لیگ نے بڑے غور و خوض کے بعد اپنا انتخابی منشور تیار کیا اور ۱۰ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور میں منعقدہ ایک جلسہ میں منظور کر کے مشتہر کیا۔ مسٹر جناح نے مختلف صوبوں کا دورہ کیا۔ ابتدا میں بورڈ میں مجلس احرار اسلام، جمعیۃ العلماء ہند (جسے کانگریس کا علماء ونگ

....

۱ "مقصد پاکستان" مرتبہ ظہیر الاسلام فاروقی، مجلس اخوت اسلامیہ پاکستان۔ لاہور طبع اول ۱۹۸۱ء، ص ۲۲۵

کہنا زیادہ مفید رہے گا)، مسلم یونیٹی بورڈ اور چند نام نہاد قوم پرست بھی شامل تھے، لیکن جوں جوں انتخابات قریب آتے گئے ان جماعتوں کے قائدین اپنے مفادات میں مسلم لیگ سے الگ ہوتے گئے۔[1] عمومی انتخابات میں مسلم لیگ کو سرحد، پنجاب اور سندھ میں ناکامی ہوئی، مگر دوسرے صوبجاتی انتخابات میں ساٹھ تا ستر (۶۰ تا ۷۰) فی صدی نشستیں حاصل کر لیں۔[2] ہندو لیڈر فتح سے بدمست ہو کر، اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ کانگریس ہی واحد قومی جماعت ہے۔ بلکہ وہ کسی دوسری جماعت کے وجود تک سے انکار کرنے لگے۔ یہ دراصل اس کوشش کی ایک کڑی تھی کہ کانگریس کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ صرف وہی انگریزی اقتدار کی وارث بننے کی حق دار ہے۔ جواہر لال نہرو نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو آل انڈیا نیشنل کونشن (منعقدہ دہلی) میں اعلان کیا۔ "آج ہند میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ برطانوی سامراج اور انڈین نیشنلزم جس کی نمایندگی کانگریس کرتی ہے۔" اس پر جناح نے اپنے بیان میں واضح کیا کہ ایک تیسرا فریق بھی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا..... اور وہ مسلمان ہیں۔

پنڈت نہرو نے مذکورہ کونشن کے خاتمہ کے بعد اپریل ۱۹۳۷ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر دفتر الہ آباد میں ایک الگ محکمہ قائم کر دیا جس کا نام مسلم رابطہ عوام (مسلم ماس کنٹیکٹ) رکھا گیا۔ اس محکمہ کے نگراں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے سابق پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف مقرر

....

۱ محمد اسلم، پروفیسر۔ "تحریک پاکستان"۔ ریاض برادرز لاہور۔ مطبوعہ ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۲
۲ محمد اسلم، پروفیسر۔ "تحریک پاکستان"۔ مطبوعہ لاہور طبع اول ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۳
۳ "قائد اعظم" مرتبہ محمد اشرف خاں عطا، مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، اشاعت اول ۱۹۳۷ء، ص ۴۷
"حیات قائد اعظم" از چودھری سردار محمد خاں۔ لاہور پبلشرز یونائیٹڈ۔ طبع دوم ۱۹۶۹ء، ص ۲۸۲

کئے گئے۔ کانگریس نے مسلمانوں سے رابطۂ عوام قائم کرنے کے بہروپ میں جو کوششیں شروع کیں ان کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے، انہیں کمزور کرنے اور ان کی قوت کو ختم کرنے کی ایک سوچی سمجھی ہوئی تدبیر اور مسلمانوں کو ان کے مستند راہنماؤں سے جدا کر دینے کی جدوجہد تھی۔

کانگریس کی غیر منصفانہ پالیسیوں اور جملہ فتنہ انگیزیوں کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد محمد علی جناح، مسلم لیگ اور کانگریس میں ہمیشہ مفاہمت کے آرزو مند رہے۔ ان کی مساعی کی بدولت انہیں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر خراج تحسین پیش کیا جاتا تھا۔ انہوں نے انتہائی کوشش کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں (سیاسی امور میں) مصالحت و مفاہمت ہو جائے تاکہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان باعزت زندگی بسر کر سکیں، لیکن ان کی یہ کوششیں بارآور نہ ہوئیں کیوں کہ کانگریسی اور مہاسبھائی ہندو لیڈروں نے ہر اس تجویز کی مخالفت کی جس میں مسلم حقوق کی پاسداری کی بات کی گئی ہو۔

جنوری ۱۹۳۵ء میں مسٹر جناح اور صدر کانگریس ڈاکٹر راجندر پرشاد (۱۸۸۴ء۔ ۱۹۶۳ء) کے مابین فرقہ وارانہ مسائل پر گفتگو ہوئی۔ دو مہینہ کی خط و کتابت اور بات چیت کے بعد یہ کوشش بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی اور کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا..... کانگریس اور

بٹالوی، عاشق حسین۔ "اقبال کے آخری دو سال"، اقبال اکادمی پاکستان۔ لاہور بار سوم ۱۹۷۸ء، ص ۳۷۶

یہ مذموم مساعی رنگ لائیں اور ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء کو جمعیت العلماء نے اپنے الہ آباد کے اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ ہندو کانگریس سے مکمل تعاون کیا جائے۔ چناں چہ جمعیت العلماء ہند غیر مشروط طور پر کانگریس کا اٹوٹ انگ بن گئی۔ (دیکھئے۔ خلیق الزماں، چودھری۔ "شاہراہ پاکستان" شائع کردہ انجمن اسلامیہ پاکستان، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۱۲۸)

مسلم لیگ میں اشتراک عمل کی تمام توقعات ختم ہو گئیں۔ حال آں کہ مسٹر جناح اب بھی کانگریس سے آبرومندانہ مفاہمت کے خواہاں تھے..... درحقیقت، کانگریس ہندوستان کی کل آبادی کی ہندوستانی قوم ہونے کی مدعی تھی۔

تاہم ۱۹۳۷ء میں جب صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات ختم ہو گئے اور وزارتیں قائم ہو گئیں، تو کانگریس کے مقابلہ میں ہر صوبہ کے مسلمانوں کو مرکزیت کا احساس ہوا کیوں کہ جولائی ۱۹۳۷ء تا اکتوبر ۱۹۳۹ء، ڈھائی (۲½) سال سے کم مدت کا وہ دور تھا جب کہ کانگریس وزارتیں، ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ (۸) صوبوں پر حکمران تھیں، ہندو مسلم تعلقات کی تاریخ میں انتہائی نازک زمانہ تھا۔ عنان حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ اس موقع کو انہوں نے کس طرح استعمال کیا اور ہندوستان کے سیاسی دستور و واقعات کی آئندہ روش پر اس کا کیا اثر پڑا۔ اسلامیان ہند کو ہندو حکمرانی کے تلخ ترین تجربہ سے گزرنا پڑا، بطور حکمران ہندو مظالم نے بعد کے سارے واقعات پر اپنا گہرا نقش چھوڑا۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اُس زمانہ میں کانگریس نے مسلمانوں پر جس قدر مظالم ڈھائے اُس سے چھوٹے بڑے سب مسلمان اس قدر خائف ہو چکے تھے کہ کوئی فرد اس موضوع پر مُنہ کھولنے سے بچتا۔ ایسے میں پہلے پہل حضرت بدایونی نے اپنی تصنیف "مرقع کانگریس" (مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء) میں مسلمانانِ صوبہ متحدہ (یعنی جس میں نہ صرف مسلمانوں کے اقلیتی صوبجات بلکہ ان کے اکثریت والے صوبوں) پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان بیان کی ہے اور کانگریسی راج کے مسلم دشمن کارناموں کا پردہ فاش کیا ہے۔ مولانا کی یہ تصنیف اب ہندو حکمرانی کا

ہولناک تجربہ، آگرہ و اودھ کے مسلمانوں پر کانگریسی حکمرانوں کے مظالم (۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۹ء) کے عنوان سے جناب سید سبط الحسن ضیغم کے گراں قدر مقدمہ کے ساتھ ادارہ پاکستان شناسی لاہور سے شائع ہو چکی ہے، جس کے مطالعہ سے اس امر کا آج بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کانگریس یعنی ہندو کو جب ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت آدھا راج ملا، تو انہوں نے کیا گل کھلائے؟ دل دہلا دینے والے مظالم سے پورا مسلم انڈیا بلبلا اُٹھا اور اس بات کا ادراک ہو گیا کہ اگر خدانخواستہ کانگریس کو پورا راج مل گیا تو مسلمان قوم کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔

نواب وقار الملک (۱۸۴۱ء۔ ۱۹۱۷ء) نے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے افتتاحی اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اگر ہندو برعظیم پر برسر اقتدار آ گئے تو وہ مسلمانوں سے اورنگ زیب کا بدلہ لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ نواب صاحب کی یہ پیش گوئی ۱۹۳۷ء میں صحیح ثابت ہوئی جب کہ کانگریس نے آٹھ مختلف صوبوں میں برسر اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں کے تہذیب و تمدن، ثقافت، زبان اور مذہب کو مسخ اور تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

مشمولہ کتابچہ ”انتخابات کے ضروری پہلو“ اُس دور کی یادگار ہے جب اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے قائداعظم کی قیادت میں منظم ہو کر آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے تحریک پاکستان کا آغاز کیا..... ہندوستانی سیاست کے طالب علم جانتے ہیں کہ وہ یو۔ پی ہی تھا جہاں سے مسلم لیگ کی تنظیم شروع ہوئی۔ مسٹر جناح نے اس صورت حال سے پورا فائدہ اُٹھایا اور وہ تحریک شروع کی جس نے بالآخر پاکستان کے قیام کی راہ ہموار کی۔

مذکورہ رسالہ اگرچہ صرف سولہ (۱۶) صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اس کی اہمیت و افادیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ایسے پمفلٹ، کتابچے، خطوط، انعقاد پذیر مختلف کانفرنسوں کے اشتہارات اور پروگرام، اجلاسوں کی روداد، قرارداد ہائے اور دعوت نامے جو وقتاً فوقتاً کسی جماعت یا تنظیم کی جانب سے شائع ہوتے رہے ہوں اس جماعت کی تاریخ کو مرتب کرنے اور کسی تحریک کو سمجھنے کے لئے نہایت مفید اور ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس کتابچے کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ..... اس کے یہ جملے ہماری ایک قومی اور تاریخی ”بیماری“ کی نشان دہی اور اس میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافے کے ”زخم“ کو ہرا کر گئے ہیں۔

> ”ہمارے ملک میں جہاں تک روپے کے زور سے ووٹ خریدنے کا تعلق ہے، ہم صاف طور پر عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس لعنت کا جلد سے جلد خاتمہ ہونا ضروری ہے۔ ہماری قوم کے لئے خواہ ان طریقوں کو نمائندے اختیار کریں یا رائے دہندگان دونوں کے لئے یہ چیز ذلت و معصیت ہے۔“

حال ہی میں وطن عزیز میں منعقد ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں دوسرے نازیبا اور شرمناک ہتھکنڈوں کے پہلو بہ پہلو ووٹوں کی خرید و فروخت کا بازار جس طرح گرم رہا اُس کا اعتراف بعض بڑے کرسی نشینوں نے بھی کیا ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات شیخ رشید صاحب نے جیو ٹی وی پر ”بعض جگہوں پر امکان“ کی آڑ لی، تو قائد حزب اختلاف حضرت مولانا فضل الرحمٰن سے جب حکومتی امیدواروں

کی روپے کے بل پر کامیابی کے مقابل ان کے کچھ امیدواروں کے منتخب ہونے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بلا جھجک فرمایا: "انہوں نے بھی اسی طریقہ سے کامیابی حاصل کی ہے۔" اناللہ...

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

آئندہ صفحات میں قارئین کرام مطبوعہ رسالہ "انتخابات کے ضروری پہلو" اور مولانا عبدالحامد بدایونی کے "تاریخی خطبۂ صدارت برائے پاکستان کانفرنس" (منعقدہ ۳۰ راگست ۱۹۴۱ء، بمقام رائے کوٹ، ضلع لدھیانہ) کے عکس علی الترتیب ملاحظہ فرمائیں گے۔ نیز حضرت بدایونی کے پیش کردہ خطبۂ صدارت پر مکرم خواجہ رضی حیدر صاحب نے "مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک پاکستان" کے عنوان سے اور جناب سید محمد فاروق القادری نے "چند تاریخی حقائق" کے تحت جو صفحات تحریر فرمائے وہ نہایت وقیع اور فکر انگیز ہیں جس سے خطبہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ ادارہ ہر دو حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے۔

ازیں علاوہ پروفیسر مجیب احمد، شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور جناب مختار جاوید منہاس ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں رہنمائی فرمائی۔ خدا ان کو سلامت رکھے اور سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

ظہور الدین خاں امرتسری

انتخابات کے ضروری پہلو

مصنفہ

مولانا عبدالحامد صاحب قادری بدایونی

ورکنگ سکریٹری روہیل کھنڈ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ

محمد سبحان بخش قادری

انچارج دفتر روہیل کھنڈ لیگ پارلیمنٹری بورڈ

نے

شائع کیا

٢

مسلم لیگ نمایندگی کی کیوں مستحق ہو

ہر ایک ایسا سوال ہو جو ہر شخص کے سامنے آئیگا اور ہر رائے دہندہ کا یہ حق ہو کہ مسلم لیگ سے دریافت کر کر اپنا اطمینان کرے۔

مسلم لیگ کے اصول

(۱) جدید آئین میں مسلمانوں کو جو کم سے کم حقوق دیئے گئے ہیں ان کا نفاذ کرائے جو مطالبات باقی ہیں انھیں حاصل کرے (۲) ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم اور طاقتور کرے تاکہ وہ کانگریس کی طرح اپنے حقوق حاصل کر سکیں (۳) مسلمانوں کے تمدنی، معاشرتی، لسانی قومی و مذہبی حقوق کی حفاظت کرے۔ (۴) مسلمانوں کے اندر آزاد حکومت کی قوت پیدا کرا کر انہیں اس قابل بنائے کہ وہ کامیابی کے ساتھ حکومت کر سکیں (۵) اصلاحی و معاشرتی ضروریات کو پورا کرے (۶) ہندوستان کے مشترکہ مسائل میں اپنے ہموطنوں کے دوش بدوش ملکر کام کرے۔ (۷) رائے دہندگان میں یہ جذبہ پیدا کرے کہ وہ اپنے ووٹ کی قدر و قیمت سے واقف ہو کر صرف ایسے افراد کو اپنا نمایندہ بنائیں جو شخصی حیثیت کی بجائے جماعت کے ماتحت ملکر کام کریں (۸) رائے دہندگان کو اس طریقہ سے مرتب کرے کہ وہ انتخابات کے بعد بھی اپنے نمایندگان کے کاموں کا جائزہ لیکر خدمات کا محاسبہ کر سکیں (۹) ایسے ناکارہ لوگوں

٣

کو دبانے دیا جائے جو ذاتی اغراض لیکر جارہے ہوں (۱۰) جو لوگ لیگ کے فارم پر دستخط کر کے جائیں گے وہ لیگ کی موجودہ پالیسی اور ہدایت کے مطابق کام کریں گے لیگ اپنے نمایندوں کی پوری خدمات کی نگرانی کرے گی گر ممبران سے لغزشیں ہونگی تو ان کو علیحدہ کرنے کا حق لیگ کو ہوگا (۱۱) جو حضرات شخصی حیثیت سے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں نہ ان کا ملک میں کوئی پروگرام ہے اور نہ وہ قوم کے سامنے جوابدہ ہو سکتے ہیں۔ (۱۲) مسلم لیگ میں ہندوستان کے دیرینہ کام کرنے والے علماء و لیڈران شریک ہیں، جنھوں نے مسلم مطالبات وضع کرا کر ان کے حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ لیگ کے نامزدشدگان مسٹر محمد علی جناح کے مطالبات کے ماتحت کام کریں گے۔

(۱۳) لیگ غریب۔ امیر۔ مزدور۔ زمیندار۔ کاشتکار۔ تاجر و [illegible] کے حقوق کا مکمل نقشہ اپنے سامنے رکھکر اسمبلی میں نمایندگی کرائے گی۔

ان اصول کے بعد کیا رائے دہندگان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو رائیں دیں

ہندوستان کا دستور اساسی

اور

ہمارے نمائندگان کا قومی فریضہ

گذشتہ چند برس کے اندر اندر ہندو مسلمانوں کے درمیان جس قدر نزاعات ہوئے ان کا اصل سبب
فقط یہ تھا کہ ان دنوں ہونے والے جدید دستور، کہ ہندوستان کی آئندہ اقتصادی سیاسی و قومی زندگی وابستہ کی ہوتی ہیں۔

جو قومیں مسلمانوں سے تعداد، علم، دولت اور اپنے اتحاد و تنظیم میں آگے ہیں ان کے اندر
یہ جذبہ ہے کہ اصلاحات و قوانین میں جو کچھ ملنے والا ہے وہ صرف ہماری قوم کو مل جائے۔ اور
ہندوستان کی زبردست اقلیت "مسلمان" سے کوئی سمجھوتہ نہ ہو۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی
رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقائے کار نے مسٹر محمد علی جناح کے چودہ نکات پر اپنی انتہائی کوشش
سے ہندوستان کے مسلمانوں کو متفق کر دیا اس سلسلہ میں حضرت رئیس الاحرار نے اپنی جان
تک قربان کر دی۔ مسلم کانفرنس بنی اور بگڑ بھی گئی۔

مگر کانگرس ملک کے اندر نئی وسعتوں کے ساتھ برابر کام کرتی رہی اور آج بھی سب سے زیادہ
طاقتور جماعت کی حیثیت سے ملک میں موجود ہے جن اصلاحات و قوانین کے باعث ملک
میں باہمی اختلافات جاری تھے ان کے نفاذ کے لئے نئی اسمبلیاں مرتب کی جا رہی ہیں اب
غور طلب امر یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں ان قوانین سے مسلمانوں کو کیسے لوگ فائدہ

پہونچا سکتے ہیں۔

(الف) کیا وہ افراد جو گذشتہ دور میں وزارتیں کرتے رہے اور مسلم مطالبات کے لئے ادنیٰ قربانیاں
بھی نہ کیں

یا وہ حضرات مسلمانوں کی خدمت کر سکیں گے جنہوں نے مسلم مطالبات وضع کرا کر
اپنا سارا وقت مطالبات کے لئے گذار دیا اور ہر قسم کی قربانیاں انجام دیں یہی وہ جماعت
ہو جس نے اس وقت بھی مسلم لیگ کے جسم میں نئی روح ڈال کر اس معیار پر پہنچا دیا
کہ لیگ میں ہر طبقہ و خیال کے لوگ شریک ہو گئے۔ لیگ ہی اس وقت ملک میں وہ منظم
جماعت ہے جو مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کرنا چاہتی ہے لیگ کے مقابلہ میں وہ لوگ ہیں جو نہ تو
لیگ کے جدید نظام میں شریک ہوئے اور گذشتہ دور میں مسٹر محمد علی جناح کے نکات کو اپنا
جزو ایمان سمجھتے رہے اور مسٹر محمد علی جناح کے آل انڈیا پارلیمنٹری بورڈ بنا دینے کے بعد
سوا ان کے اس نظام میں شریک رہے آج لیگ سے صرف اس بنا پر علیحدہ ہیں کہ لیگ
میں مختلف الخیال حضرات کیوں شریک کئے گئے اور لیگ ان کے اغراض پر کیوں متحرک
نہ ہوئی مقام حیرت و افسوس ہو کہ لیگ سے ہٹ کر یہ لوگ مہا سبھا جیسی متعصب اور مسلم کش
جماعت میں شامل ہو گئے جس کے لئے کسی زمانہ میں سخت سے سخت فتاویٰ صادر فرمایا کرتے
تھے اور ان کی ہمنوا لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو کانگریسی ظاہر کر کے خود اپنی اسی حالت پر کہ

(مہاسبھا جیسی جماعت میں شریک ہیں) پر وہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ نیز ہندو پارٹی مہاسبھا
میں مدغم ہو گئی اُس جماعت سے مسلمانوں کو کوئی توقع نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ :۔
نہ مسلمان کانگریس میں بغیر کسی معقول و اطمینان بخش سمجھوتہ کے جانا چاہتے ہیں اور
نہ مہاسبھائی زمیندار پارٹی سے انہیں دلچسپی ہو سکتی ہے۔
اب صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جسے مسلمان اپنی رائیں دیں اور اس کے
نظام میں شامل ہوں۔

ممبر کیوں منتخب کئے جاتے ہیں ؟

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ قانون ساز جماعتوں کی ممبری کوئی اعزازی عہدہ نہیں ہے
ہمارے یہاں ایسے آنریری مجسٹریٹ بھی ہوتے ہیں جو قانون و ضابطہ سے ناواقف ہونے کے
باوجود کچھ نہ کچھ اپنا کام چلا لیتے ہیں حکومت انہیں خوش کر کے اُن کے اثر سے فائدہ اٹھاتی ہے
لیکن وہ ممبران جو اسمبلی و کونسل میں جاتے ہیں وہ ایسے آنریری مجسٹریٹوں
سے مختلف ہیں
ممبرانِ اسمبلی کا کام نازک اور مشکل ہوتا ہے وہ ملک کے اندر جس قدر جماعتیں ہیں اُن
کے لئے ایسے قوانین بناتے ہیں جن پر ملک کے عیش و آرام کا دارومدار ہے، اس اہم مقصد

کی انجام دہی کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو قانون کی تمام پیچیدگیوں کو سمجھ سکیں
اور جو ایک طالب علم یا محنتی وکیل کی طرح تمام کاغذات کا پوری طرح مطالعہ کرنے کے بعد
مجالس قانون ساز میں جا کر بحث کریں اور جن کے سامنے اپنی قوم کا مفاد ہے اور کسی
ایسے فیصلہ پر جو ملی مفاد کے خلاف ہو اپنی پوری طاقت و قوت اور جماعتی نظم کے ساتھ
اُس کا مقابلہ کریں۔
اگر نمائندگان کسی جماعت کے ماتحت رہکر اسمبلی میں گئے تو لیگ کو اختیار ہوگا کہ ایسوں کو
بغیر جماعت سے مشورہ اور اس کی رائے حاصل کئے ہوئے کسی معاملہ میں قدم نہ بڑھانے دے۔
ان زندہ اصول پر مسلمانوں کی خدمت کرنے والی جماعت صرف مسلم لیگ ہے۔ جسے ہر
مسلمان کو ووٹ دینی چاہیئے۔

ممبروں کی قابلیت کا معیار

جب ہم اپنے کسی عزیز کا علاج کرانا چاہتے ہیں تو یہ نہیں سوچتے کہ ڈاکٹر کس قوم و برادری
اور کس شہر کا ہے، دیسی ہے یا پردیسی۔ بلکہ خواہش ہوتی ہے کہ جس طبیب و ڈاکٹر سے فائدہ ہوگا
وہی ہمارے بیمار کا معالج رہیگا۔ اسی طرح ہم اپنے بچہ کی تعلیم کے لئے یہ چاہتے ہیں
کہ استاد ایسے شخص کو بنائیں جو کافی قابلیت رکھتا ہو پڑھانے کے ڈھنگ سے بخوبی واقف

ہو۔ اسی طرح مسجد کے امام وخطیب اپیری مریدی کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس میں ہماری بیماریوں کے دور کرنے کی ہم سے بہت زیادہ صلاحیت موجود ہو غرض اس اصول کو زندگی کے مختلف حصوں پر منطبق کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلے گا کہ اصلاح وخدمت کے لیے اپنے سے زیادہ قابل اور مصلح کو پسند کیا جائیگا ٹھیک اسی طرح انتخاب کے معاملہ میں بھی یہ سوچنا ہوگا کہ مجالس قانون ساز جیسی اہم جماعت میں ہمارے وہی نمایندے جائیں جن کے اندر سیاسی وقومی مسائل قانونی معاملات کی پوری بصیرت ہو۔ اور جن کی سابقہ خدمات بھی ہمارے سامنے ہوں اور جو پوری قوت کے ساتھ اسمبلی میں جاکر ہمارا کام کرسکیں اگر انھوں نے گذشتہ زندگی یا ملک کی اہم تحریکات میں کوئی حصہ نہ لیا ہوگا تو آئندہ ان سے توقعات قائم کرنے کا ذریعہ فقط یہی ہوسکتا ہے کہ وہ ملک کی کسی ذمہ دار جماعت سے اتحاد عمل کرتے ہوئے ہمارے پابند ہوکر جائیں۔ اگر ان کی گذشتہ زندگی میں جماعتی اشتراک وتعاون کی مثالیں موجود ہیں تو آیندہ بھی ملک وقوم کی ترجمانی کی امید ہوسکتی ہے ورنہ اس علم وقانونی فکر ونظر سے جس کا فائدہ مسلم قوم کو نہ پہونچا ہو بلکہ قومی خدمت وایثار سے ان کا دامن خالی ہو توقعات قائم نہیں کی جاسکتیں۔ ان کی آئندہ زندگی وخدمت کی نیاز وجماعتی نظام پر لبیک کہنا ہو اب ہمارے ملک کو صرف جماعتی نظام میں شریک ہوکر کام کرنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت گذشتہ اسمبلی وکونسل کے اُن امیدواروں کی وجہ سے اور بھی اہم ہوگئی

کہ ہمارے نمایندوں نے ساردا ایکٹ وغیرہ جیسے قوانین بنواکر مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا کردیا۔ مسلم لیگ صرف اُن ممبران کو بھیجنا چاہتی ہے جن کی قابلیت اور سابقہ خدمات موجود ہیں اور جو جماعت اور جمہور کے پابند ہوکر کام کریں۔

لہٰذا

مسلم لیگ ہی اس کی مستحق ہو کہ اس کے نامزد شدہ ممبران کو رائیں دی جائیں۔

رائے دہندگان کا جائز مطالبہ

امیدواران کا پروگرام کیا ہوگا

ہر رائے دہندہ کا جائز حق ہے کہ وہ ہر اس نمایندہ سے جو رائے طلب کرنے آئے سوال کرے کہ "تمہارا پروگرام کیا ہوگا؟"

جانے والا ہمارے قومی حقوق کو کہاں تک پورا کرسکے گا۔ اور منتخب ہوکر اپنے حلقہ ملک، صوبہ کے لئے کیا کام انجام دیگا۔

اس جائز اور صحیح مطالبہ کا اطمینان کئے بغیر اپنی رائے دیدینا زبردست جرم ہے۔

قدرت نے ہر شخص کو رائے دینے یا نہ دینے کا جس طرح مالک کیا ہے اسی طرح فرض بھی ہم پر عائد ہوتا ہے کہ اپنی رائے کا صحیح استعمال کریں اور اپنے تمام مقام سے پروگرام معلوم کریں

پروگرام بھی ایسا ہو جس سے نہ تو حکومت کی اغراض پوری ہوتی ہوں اور نہ وہ دوسرے ہموطنوں کی غلامی و پابندی کا ارتکاب ہو۔ اس سلسلہ میں ذاتی اعتبار سے شخصی پروگرام تجویز کرنا یا رائے دہندگان سے عظیم الشان پروگرام کی تفصیلات کا اعلان کرنا گذشتہ تلخ تجربوں کے بعد امید افزا نہیں ہو گا تاوقتیکہ امیدوار جماعتی حیثیت اور معینہ پروگرام کے ماتحت کام نہ کرے۔

اس وقت تک ملک میں چار جماعتوں کے پروگرام شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ کانگریس ۲۔ مہاسبھا ۳۔ مہاسبھا کی برانچ زمیندارا پارٹی ۴۔ مسلم لیگ

۱۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کا حامل کا جہاں تک تعلق ہو مسلمان اصولاً اس وقت بھی اس کے قائل ہیں۔ مگر کانگریس کے گذشتہ و موجودہ طرز عمل سے اس وقت تک کہ وہ مسلمانوں سے کوئی معقول سمجھوتہ نہ کرے اس کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتے

۲۔ مہاسبھا ہندوستان کی تنگ نظر اور وہ متعصب جماعت ہے جس سے اتحاد عمل ہونا دشوار تھا اس کا پروگرام ملت اسلامیہ کے سراسر منافی۔ مہاسبھا کی نو زائد جدید جماعت زمیندارا پارٹی کا پروگرام مہاسبھائی جماعت کا ایک خوشنما نمونہ ہے۔

۳۔ اب رہی مسلم لیگ۔ اس کے پروگرام کو اول تا آخر دیکھ جانے سے یہ چیز اچھی طرح سامنے آجاتی ہے کہ لیگ کے پروگرام میں ملت اسلامیہ کے حقوق کی حفاظت

کے علاوہ دوامی مسائل موجود ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح کے چودہ نکات کو اکثر بیشتر مباحث لیگ کے پروگرام میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک ہندوستان کے غریب افراد دہ و ماندہ طبقات۔ زمیندار، تاجر، مزدوروں کی زندگی کا تعلق ہے ان کے لئے بھی لیگ کا پروگرام اطمینان بخش ہے۔ ان سب مسائل پر کام کرنے کے لئے" لیگ کے نمائندے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں۔ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ جماعتی حیثیت میں نمائندگی کریں گے۔

جو لوگ ذاتی و شخصی حیثیت سے جانا چاہتے ہیں ان کے پروگرام کا لیگ کے پروگرام سے موازنہ کر کے صحیح نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

رائے دہندگان کے جائز حقوق کیا ہیں

بدقسمتی سے ہمارے رائے دہندگان اپنے حقوق و فرائض سے کما حقہ واقف نہیں مسلم لیگ چاہتی ہے کہ انھیں آگاہ کر دے اور وہ اپنی رائے کی قدر و قیمت پہچانیں اور یہ جذبہ ان کے لئے پیدا ہو جائے کہ ہمارا نمائندہ قوم کے احکام کا پابند ہونا چاہیے۔

یہ حقیقت بھی فراموش کئے جانے کے قابل نہیں کہ حکومت باشندگان ملک

کی خدمت کے لئے ہے اس کے افسران ہمارے نوکر ہیں افسران کا فرض ہو کہ وہ
اہل ملک کی بہبودی و خدمت کی ہر امکانی کوشش کریں۔

حکومت کے افسران کی تنخواہیں ہماری جیبوں سے نکل کر جاتی ہیں۔ کروڑوں
روپیہ ٹیکس وغیرہ کے سلسلہ میں فراہم ہو کر خزانہ میں کیوں جاتا ہو اس واسطے کہ
ہمارے مفاد پر خرچ کیا جائے اور اہل ملک کی تجارت صنعت و حرفت غریبوں کی
ضرورت پر لگایا جائے۔ ہمارے ملک کا روپیہ ہمارے ہی وطن میں صرف ہو ہماری
تجارت دوسرے ممالک کی طرح آزاد ہو۔ فوج پولیس خزانہ و مال ہمارا ہو اور ہر
ہم وطن خاطر خواہ فائدہ اُٹھا سکیں۔ ان تمام نازک اور اہم معاملات کی تکمیل کے لئے
اسمبلی میں آپ کو ایسے امیدوار بھیجنے کی ضرورت ہو جو متفق اللسان ہو کر جماعتی
قوت کے ساتھ ان حقوق کو پورا کرائیں۔ آپ کے روپیہ کو مذکورۂ بالا جائز و مفید
کاموں کے علاوہ دوسرے ناجائز مقاصد پر خرچ نہ ہونے دیں۔ ان کی نظر اپنی قوم
وملت کے مفاد پر ہے۔

یہ ہیں وہ امور جن کا رائے دہندگان کے حقوق سے گہرا تعلق ہو اور انھیں
مسائل کی تکمیل کے واسطے ہمارے نمائندوں کو اسمبلی میں جانا ہو۔

اس اصول کو مسلم لیگ اپنے پروگرام میں کافی وضاحت کے ساتھ ظاہر کر چکی

اس کے نمائندے ان اصول سے اتفاق کرتے ہوئے اقرار ناموں کے ساتھ
اسمبلی میں جا رہے ہیں۔

لہذا

مسلم لیگ ہی اس قابل ہے کہ اسکے امیدوار کو کامیاب بنایا جائے اس کا
امیدوار ہر جگہ پروگرام بتائے گا۔ اس پر اچھی طرح غور و فکر کرو۔ اور جماعت کا
ساتھ دو

ووٹ حاصل کرنے کی ناجائز ترکیبیں

ہم نہیں چاہتے کہ اس موقعہ پر ان حرکات کا ذکر کریں۔ جو بد نصیبی سے بعض خود
غرض سرمایہ دار لوگوں نے الیکشن کے سلسلہ میں اختیار کر رکھی ہیں اور جن
کی وجہ سے مسئلہ انتخاب جیسا اہم معاملہ ایک بدترین لعنت سے تعبیر کیا جانے
لگا ہے۔ چونکہ رائے عامہ کی اصلاح ہر سمجھدار فرد پر ضروری ہو۔ اس لئے چند اشارات
پیش کئے جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں رائیں حاصل کرنے کا ایک مستقل فن ہو گیا ہو جس کی درستی
لیگ کا اصل منشا ہو۔

۱۔ ہمارے ہاں بعض وہ ہیں جنھوں نے رائے حاصل کرنے سے قبل نہ کبھی عملاً عمل
میں قدم رکھا۔ نہ مدارس و یتیم خانوں کی خدمات کا عملی جذبہ پیدا ہوا۔ انتخابات کے
موقعہ پر ہر قسم کی ہمدردیوں کے ساتھ روپیہ بہانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں یہ تمام
افعال امید واران کی ہوس عزیزی یا کامیابی کے لئے اختیار کرتے ہیں لیکن قانون
سازی یا نمائندگی کے اہم فرائض سے ان چیزوں کو دور کی بھی نسبت نہیں۔ کار خیر
یقیناً مستحسن لیکن انتخابات سے قبل اور اس کے بعد بھی اگر ایسی فراخدلی سے ہماری
ضروریات پر نمائندگان کا روپیہ صرف ہو تب حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔

کار خیر کو فلاقی ترقی و کامیابی کا زینہ بنایا اور قوم کے تمام درد و تکلیف کو صرف انتخاب کے
وقت ظاہر کرنا ہرگز قومیت نہیں۔ بلکہ قوم کے ساتھ کھلی ہوئی خود غرضی و فریب کاری ہے
ہمارے ملک میں جہاں تک روپے کے زور سے ووٹ خریدنے کا تعلق ہے ہم صاف
طور پر عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس لعنت کا جلد سے جلد خاتمہ ہونا ضروری ہے ہماری
قوم کے لئے خواہ ان طریقوں کو نمائندے اختیار کریں یا رائے دہندگان دونوں کے
لئے یہ چیز ذلت و معصیت ہی ہے جو لوگ ان ہتھکنڈوں سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ
اسے کامیابی نہ سمجھیں بلکہ سمجھ لیں انھوں نے قوم و ملک سے بغاوت کی اور غریب افراد کو
ایسے راستہ پر لگا دیا جس کی معصیت کا بار ان کے کندھوں پر ہے۔

بجائے روپے کے لالچ دیئے جانے کے قوم کے سامنے یہ ممبران انتخاب سے
قبل و بعد اپنی مخلصانہ خدمات کا نمونہ پیش کریں تاکہ حقیقی لحاظ سے ایسے اصول پر رائے
دہندگان کو دعوت دیں جن پر رائے دینے والے ٹھنڈے دل سے غور کے بعد فیصلہ
کر سکیں۔

اگر ہمارے غریب عوام یہ چاہتے ہیں کہ رائے دہندگی میں سرمایہ داری کے ناجائز
اثرات سے پاک ہوں۔ یا اپنے غریبوں کو کسی وقت انتخاب میں پہنچا کر کامیاب کرائیں
تو انھیں مذکورہ بالا لعنت سے اپنے حلقوں کو پاک کرانا چاہیئے اس اصول پر مسلم لیگ
رائے دہندگان سے اپیل کرتی ہے کہ اپنی آزاد رائے کے تم مالک ہو۔ روپے سے اب
آئندہ تمہاری رائے کسی کے پابند نہ ہو ورنہ یاد رکھو کہ سرمایہ داروں کے مقابلہ میں تم ہرگز
غریب اور مستحق نمائندے نہ جا سکیں گے۔

فقیر محمد عبد الحامد قادری بدایونی مولوی محلہ بدایوں

مطبوعہ عثمانی پریس بدایوں. یو.پی

۱۹۳۶ء

مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریکِ پاکستان

تاریخ نویسی اپنے جدید مفہوم میں نہ تذکرہ نگاری ہے اور نہ ہی وقائع نویسی... بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ موضوع سے متعلق تمام ممکنہ مواد اور حقائق کی معروضیت کو پیش نظر رکھ کر تحقیقی و تجزیاتی انداز میں موضوع کی اس طرح توضیح اور تشریح کی جائے کہ تاریخ کسی جانب داری کے بغیر پڑھنے والے کے سامنے آسکیں۔ مورخ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ واقعات میں فرضی روایات، قیاس اور ذاتی رائے کو دخل نہ دے ...... کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر مسخ شدہ شکل میں پیش کرنا، اس کی اصل وضع و ترتیب کو الٹ پلٹ کر دینا۔ واقعات و حقائق کے تمام پہلوؤں پر غور نہ کرنا، مبالغہ آمیزی سے کام لے کر ذاتی حوالے سے کسی ناپسندیدہ امر کو پست اور پسندیدہ کو بلند کر کے دکھانے سے ایک مورخ نما عیار کی مخفی خواہشات کی ترجمانی تو ہو سکتی ہے، لیکن تاریخ نویسی کا فریضہ ادا نہیں ہوتا۔

تحریک پاکستان کی تاریخ میں بعض قلم کاروں نے نہایت عیاری سے دورانِ تاریخ نویسی کذب گوئی کے ایسے بغلی دروازے کھول دیئے ہیں کہ اُن افراد کے بارے پس منظر میں چلے گئے ہیں جو منظر پر مسلسل موجود رہ کر آخر دم تک ایثار اور بے لوث خدمت کی داستان رقم کرتے رہے...... عالم اسلام کے اتحاد، مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے تحفظ، ہندوستان کی تحریک آزادی، تحریک خلافت، تحریک پاکستان

اور استحکام پاکستان کے حوالے سے خانوادۂ قادریہ بدایوں کے بطلِ جلیل مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ رحمہ نے جس تن دہی اور اخلاص سے نصف صدی سے زائد مدت تک جو عملی جدوجہد کی وہ بلاشبہ ہماری قومی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، لیکن افسوس مولانا عبدالحامد بدایونی کو ہماری مطبوعہ قومی تاریخ میں اُن کا جائز مقام نہیں مل سکا۔۔۔۔ ایسا کیوں ہوا۔۔۔ یہ تاریخی بددیانتی کی ایک مکروہ رُوداد ہے جس پر علٰحدہ سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے اگرچہ اپنی سیاسی زندگی کا آغاز انجمن خدام کعبہ، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات سے کیا تھا اور وہ ایک عرصہ تک قومی آزادی کے حصول کے لئے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں رہے، لیکن ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی اشاعت اور مسلمانوں کے حقوق کی جانب سے کانگریسی رہنماؤں کی متعصبانہ روش کے پیش نظر بالآخر وہ جلد اس نتیجہ پر پہونچ گئے کہ ہندو مسلم اتحاد اور ہندوستان کی اجتماعی آزادی ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۹ء تک مولانا بدایونی کی تقاریر اور بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ اس عرصہ میں قومی صورتِ حال نے مولانا بدایونی کی سیاسی بصیرت کو نئی راہ دکھائی اور آپ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ سے مستقل طور پر وابستہ ہو گئے۔ مسلم لیگ سے مولانا کی یہ وابستگی مصلحتِ زمانہ کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ آپ کے حُبِّ قومی کا تقاضا تھا۔

مولانا بدایونی کی ابتدائی سوانحی تفصیلات سے قطع نظر آپ نے زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے برادرِ بزرگ مولانا عبدالماجد بدایونی کی سرپرستی میں ہندوستان کی قومی

سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں انجمن خدام کعبہ اور خلافت کمیٹی کے مشترکہ اجلاس میں شرکت کی اور بحیثیت طالب علم اس جلسہ سے خطاب کیا۔ قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں معاصر حالات و مسائل کا تجزیہ کرنے پر آپ کو عبور حاصل تھا لہٰذا آپ کی سیاسی تقاریر بھی مذہبی حوالہ لئے ہوئے ہوتی تھیں۔ فنِ خطابت آپ کی شخصیت کا جوہر بیدار تھا اور آپ عوامی نفسیات کے ماہر تھے چناں چہ ذرا سی دیر میں نطقِ منبر کو انقلابِ عوام سے ہم آہنگ کر دیتے تھے۔

۱۹۳۰ء کے بعد مولانا بدایونی کی سیاسی روش میں ایک نمایاں تبدیلی آئی۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان باہمی اتحاد سے کام لیتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کی تمنا کو ترک کر کے انفرادی طور پر اپنے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کریں۔۔۔ نہرو رپورٹ کی منظوری کے بعد قائداعظم محمد علی جناح بھی کسی حد تک اس نتیجہ پر پہونچ گئے تھے کہ ہندو کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو اُن کے حقوق دینا نہیں چاہتے چناں چہ قائداعظم نے بھی ۱۹۲۹ء میں آل پارٹیز کانفرنس کلکتہ میں نہ صرف نہرو رپورٹ کو مسترد کیا بلکہ کانفرنس سے واپسی پر اس خیال کا اظہار کیا کہ ’’آج ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا اس طرح علٰحدہ ہو گئے ہیں کہ شاید اب وہ کبھی باہم نہ مل سکیں گے‘‘۔۔۔۔ قائداعظم کے اس خیال کو ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کے دوران منعقد ہونے والی گول میز کانفرنسوں میں مزید تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے ۱۹۳۴ء میں از سر نو اسلامیان ہند کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر منظم و متحد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قائداعظم کے اس فیصلہ کے بعد جن علماء نے قائداعظم کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا اُن میں مولانا عبدالحامد بدایونی سرفہرست تھے۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے خاتمہ کے بعد مولانا بدایونی جمعیت
علماء ہند یو۔ پی کے ناظم اعلیٰ ہو گئے تھے، لیکن ۱۹۳۶ء میں جب مسلم لیگ نے عام
انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو جمعیت علماء ہند جو مسلم لیگ کی اتحادی جماعت تھی
اُس کی مرکزی قیادت نے انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت سے کنارہ کش ہو کر
اچانک ہندو جماعت انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت شروع کر دی.... جمعیت علماء ہند
کے اس طرز عمل سے مولانا بدایونی شدید دل برداشتہ ہوئے اور آپ نے نومبر ۱۹۳۷ء
میں جمعیت علماء ہند کی بنیادی رکنیت سے استعفا دے دیا.... مولانا نے جمعیت کے
مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید دہلوی کے نام اپنے استعفا میں لکھا.... ”چوں کہ آپ
کی اور جمعیت علماء کی یہ روش کہ وہ ممبران کے فیصلہ و استصواب کے بغیر کانگریس کی
کلیتاً حمایت کر رہی ہے اور جمعیت کو آپ لوگ کانگریسی بت پرستوں کے چشم و ابرو پر
متحرک کر رہے ہیں سخت افسوس ناک ہے... ”بندے ماترم“ جیسا مشرکانہ ترانہ آپ
کے نزدیک قومی ترانہ ہے مولانا حسین احمد مدنی صاحب مسلم لیگ کو ناچنے والوں کی
جماعت ٹھہرا رہے ہیں اور کانگریس کو ذریعۂ نجات سمجھتے اور تحریر کرتے ہیں... لہٰذا ایک
تنظیم کے اس مذموم طرز عمل کو جو بدقسمتی سے اپنے آپ کو علماء کے ساتھ منسوب کرتی
ہو کوئی خود دار شخص برداشت نہیں کر سکتا... میں جمعیت علماء کی رکنیت سے مستعفی
ہوتا ہوں اور کسی قسم کا کوئی تعلق آپ کی جماعت سے نہیں رکھنا چاہتا..... میں دعا کرتا
ہوں کہ خدائے برتر آپ حضرات کو مشرکین کی غلامی سے آزاد کرے اور آپ میں
منصب علماء اور وقار مذہب کو باقی رکھنے کی ہمت پیدا فرمائے۔ یقین کیجئے کہ آپ
جس تحریک کو آزادی تصور کر رہے ہیں وہ حقیقتاً ہندو راج ہے۔ کانگریس کی تائید

کرکے آپ ہندوستان میں ہندو قیادت کو ہمیشہ کے لئے قائم کرنے کے محرک ہو
رہے ہیں جس پر ہمیشہ ماتم کیا جاتا رہے گا.....“

مولانا عبدالحامد بدایونی نے قوم پرست علماء کا زور توڑنے اور اسلامیان ہند کو
آل انڈیا مسلم لیگ کے پیغام اور پروگرام سے آگاہ کرنے کے لئے ہندوستان گیر
دورے کئے اور یہ ثابت کر دیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی اسلامیان ہند کی واحد نمائندہ
سیاسی جماعت ہے.... ۱۹۳۸ء میں آپ نے صوبہ سرحد کے متعدد دورے کئے...
تحریک خلافت کے رہنما مولانا شوکت علی کے ہمراہ کئی مرتبہ علماء کے وفود لے کر صوبہ
سرحد گئے اور پشاور میں صوبہ سرحد کے کانگریس نواز وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان اور دیگر
سرخ پوش رہنماؤں سے مذاکرات کر کے اُن کو ملی مفاد کی خاطر مسلم لیگ میں شمولیت
کی دعوت دی۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں آپ صوبہ سرحد کے دورہ سے سندھ صوبائی لیگ
کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی آئے...اس کانفرنس میں سندھ کے رہنما
سر عبداللہ ہارون نے تقسیم ہند کے منصوبہ پر مشتمل ایک قرارداد پیش کی تھی جس کی تائید
میں مولانا بدایونی نے نہایت ولولہ انگیز تقریر کی..... اس کانفرنس میں شرکت کے فوراً
بعد آپ قائداعظم کے ایما پر پھر صوبہ سرحد کے دورہ پر روانہ ہو گئے اور نومبر ۱۹۳۸ء
کے ابتدائی عشرہ میں پشاور، بنوں اور کوہاٹ ہوتے ہوئے مردان پہونچے جہاں
مردان لیگ کانفرنس سے آپ نے خطاب کیا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی کی مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلہ میں مصروفیات کا اندازہ
آل انڈیا مسلم لیگ کی دستاویزات میں موجود آپ کے ایک خط سے بخوبی لگایا جا سکتا
ہے جو آپ نے مسلم لیگ کے سکریٹری جنرل نوابزادہ لیاقت علی خان کے نام ارسال

کیا تھا.... مولانا بدایونی لکھتے ہیں کہ..... "۱۹۳۸ء کا پورا سال مسلم لیگ کی خدمت
میں گزار دینا پڑا... صوبہ سرحد کے تیسرے دورہ سے مردان کانفرنس میں شریک ہو کر
۱۴ رمضان المبارک کو چور چور واپس آیا ہوں۔ روزے بھی بمشکل پورے کر سکا
اب صوبہ بہار والے ہزاری باغ کے الیکشن کے لئے بلا رہے ہیں... بدایوں کی
پراونشل کنونشن میں شرکت کے بعد سیدھا ہزاری باغ جانے کا ارادہ ہے....."

۱۹۳۹ء میں صوبہ سرحد کے علاوہ مولانا بدایونی نے بنگال اور بہار کے متعدد
دورے کئے اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ جمعیت علماء ہند کے کسی فریب میں نہ
آئیں کیوں کہ اب مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی اپنی شبانہ روز مصروفیات کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ
کونسل کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے اور تجاویز پیش کرتے... آپ
نے دسمبر ۱۹۳۸ء میں کونسل کے ایک اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ کہا کہ "ہر مسلم
لیگی کو اپنی زندگی اسلامی کلچر و اسلامی تہذیب کے مطابق ڈھالنا چاہئے تاکہ مسلم لیگ
یہ مطالبہ خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ثقافت اور
مذہب کو تحفظ فراہم کیا جائے...."

آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم نو، مسلم اتحاد اور تحریک پاکستان کے ضمن میں مولانا
بدایونی نے جو خدمات سرانجام دیں اُن کے تذکرہ کے لئے یقیناً دفاتر درکار ہیں، لیکن
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر تحریک پاکستان کے حوالے سے
مولانا بدایونی کو تاریخ میں وہ مقام و مرتبہ نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے جب کہ
بہت بعد میں قائداعظم کی دعوت پر لبیک کہتے اور مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے

بعض علمائے دیوبند کو تحریک پاکستان کے صف اوّل کے رہنماؤں میں شمار کیا جانے
لگا.... اس سوال کا جواب اگرچہ تفصیل طلب ہے، لیکن یہاں میں اختصار سے کام
لیتے ہوئے ممتاز محقق حکیم محمود احمد برکاتی کی ایک رائے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو
آپ نے مکتبۂ خیر آبادی کے ممتاز عالم مولانا معین الدین اجمیری کی کتاب
"معین المنطق" کے مقدمہ میں درج کی ہے۔

حکیم صاحب لکھتے ہیں:۔

"....مسلم لیگی قیادت کی کامیابی اور مقبولیت کو دیکھ کر چند علمائے
دیوبند اگرچہ آگے بڑھے تھے اور ہم نے اُن کو خوش آمدید بھی کہا تھا، لیکن
"اذا جاء نصر اللہ والفتح" کے بعد ایک رواں دواں اور منزل مقصود سے
قریب تر کارواں میں آ کر شامل ہو جانے والوں کو وہ حیثیت کیسے حاصل
ہو سکتی تھی جو کارواں کو ترتیب دینے والے، راستہ ڈھونڈ نکالنے والے اور
منزل متعین کرنے والے رہنماؤں کو حاصل تھی..... پھر یہ حضرات اس
قدر تاخیر سے کاروانِ ملت میں آ کر شریک ہوئے کہ مسلم عوام و خواص
علمائے دیوبند کے ہر گروہ سے ایک گونہ بیزار، برہم اور بدظن ہو چکے
تھے.... اس لئے ان آنے والوں کی پزیرائی ضرور کی گئی مگر نہ عام
مسلمانوں نے اُن کی آمد و شرکت کو قرار واقعی اہمیت دی اور نہ مسلم لیگ کی
قیادت عظمیٰ کو ہی اب ان کی حمایت، نصرت و اعانت کی ضرورت اور
احتیاج تھی.... مسلمانوں کی حمایت اور وکالت کی گھڑی وہ تھی جب
۱۹۳۷ء میں جواہر لال نہرو نے دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو

طاقتیں ہیں کانگریس اور انگریز..... جواہر لال نہرو کے اس ادعائے باطل
کے ابطال وتردید کے لئے جو مرد میدان سینہ سپر ہوکر میدان میں ڈٹ گیا
تھا ہم نے اُسے قائداعظم بنالیا اور جو مدعیان قیادت ورہبری اُس وقت
مہر بہ لب رہ گئے وہ مقام محبوبیت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ چاہے
وہ کتنے ہی بڑے محدث، کیسے ہی متدین، ایثار پیشہ، بلند کردار ملک
سیرت کیوں نہ ہوں۔"

حکیم محمود احمد برکاتی کی اس رائے کی روشنی میں اگر مولانا بدایونی کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تحریک پاکستان کے حوالے سے جو مقام مولانا عبدالحامد بدایونی کو حاصل ہے وہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور اُن کے رفقائے کار کو کسی طرح بھی حاصل نہیں جنہوں نے دسمبر ۱۹۳۸ء میں قائداعظم کو اپنی حمایت کا زبانی یقین دلایا اور پھر ایک طویل خاموشی کے بعد ۱۹۴۵ء کے وسط میں انتخابات کے موقع پر عملی طور پر تحریک پاکستان سے وابستہ ہوئے تھے.....

مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ رحمہ نے ابتداہی سے نہ صرف مسلم لیگ کو ایک منظم جماعت بنانے کے لئے جدوجہد کی بلکہ تحریک پاکستان کو مقبول بنانے کے لئے اپنے روز وشب وقف کردیے..... آل انڈیا مسلم لیگ کا دستاویزی ریکارڈ، قائداعظم پیپرز، شمس الحسن کلکشن اور قدیم اخبارات وجرائد کے فائل مولانا عبدالحامد بدایونی کی قیادت وسیادت کے گواہ ہیں... ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب لاہور میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی تو علماء کی جانب سے مولانا بدایونی نے اس قرارداد کی تائید میں تقریر کی۔ قرارداد پاکستان کی منظوری سے قبل دسمبر ۱۹۳۹ء میں مولانا بدایونی نے مرادآباد کے

ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے واضح طور پر ایک علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کی تحریک پیش کی تھی اور قائداعظم کو یقین دلایا کہ اسلامیانِ ہند کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے جو فیصلہ وہ کریں گے وہ تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہوگا... مطالبۂ پاکستان کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں مولانا بدایونی نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کے لائلپور میں منعقدہ اجلاس میں آپ نے اپنی تقریر میں واضح طور پر فرمایا کہ مطالبۂ پاکستان کا مطلب ایک ایسی ریاست کا قیام ہے جس میں اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہوگی..... جہاں مسلمان کسی دباؤ اور بیرونی مداخلت کے خوف کے بغیر حکومت کریں گے اور ہر شخص کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے..... ۱۹۴۶ء میں آپ نے جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے ساتھ مل کر آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقد کی اور یہ ثابت کردیا کہ سوادِ اعظم اہلسنت تحریک پاکستان کے حق میں ہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مرکزی کردار ادا کیا اور "فاتح سرحد" کے خطاب سے یاد کئے گئے۔

تحریک پاکستان کے دوران مولانا عبدالحامد بدایونی نے تصنیف وتالیف کے حوالے سے بھی اہم خدمات انجام دیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے جب ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا ایڈوائزرز کمیٹی قائم کی تو اُس کے مذہبی شعبہ میں مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور مولانا حسن مثنیٰ ندوی کو شامل کیا گیا اور ان افراد نے تحریکی ضرورت کے تحت مضامین اور کتابچے تحریر کیے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب طرز ادیب وشاعر تھے اور آپ کی اس حوالے سے کئی کتب شائع ہوچکی ہیں۔ سیاست،

مذہب، خطابت، شعروادب ہر شعبہ میں آپ نمایاں اور ممتاز تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے تحریک پاکستان کے دوران متعدد اجلاسوں کی صدارت کی۔ اُن کا خطبۂ صدارت نہایت فکر انگیز اور ولولہ خیز ہوتا تھا..... مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں آپ نے اگست ۱۹۴۱ء کو ایک پاکستان کانفرنس کی صدارت کی تھی۔ اس کانفرنس میں آپ نے ایک مطبوعہ خطبۂ صدارت پیش کیا تھا جو اپنے مندرجات کے اعتبار سے نہایت وقیع اور تاریخی تھا۔ مولانا بدایونی نے جس فصیح و بلیغ انداز میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی ضرورت، مسلمانوں کی جدوجہد، کانگریسی علماء کی بدعہدیوں اور مطالبۂ پاکستان پر تاریخی تناظر میں روشنی ڈالی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا عبدالحامد بدایونی واحد عالم دین تھے جو مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا نہ صرف سب سے زیادہ فہم رکھتے تھے بلکہ مطالبۂ پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے اور اس مطالبہ کو منظور کرانے کے لئے سب سے زیادہ مستعد اور سرگرم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا بدایونی کراچی تشریف لائے اور مولانا ابوالحسنات لاہوری کے ساتھ مل کر جمعیت علماء پاکستان کی بنیاد رکھی... ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے وہ ایک اہم رہنما تھے... آپ ختم نبوت کے مسئلہ پر کسی قسم کی مصالحت یا رعایت کے حق میں نہیں تھے اور اپنی تقاریر میں بار بار ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والوں کو سرکاری طور پر کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا کرتے تھے... آپ نے ۱۹۴۴ء میں مسلم لیگ کونسل کے ایک اجلاس میں قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت کے خلاف ایک قرارداد بھی پیش کرنے کی اجازت طلب کی تھی..... مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے بقول، مولانا بدایونی کو قادیانیوں سے اس قدر نفرت تھی کہ انہوں نے سر ظفر اللہ خان

سے ایک مرحلہ پر ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا تھا..... آپ ایک سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ اور ایک عاشق صادق کی حیثیت سے آپ کو ہر اس شخص سے نفرت تھی جو شریعت محمدی ﷺ کے خلاف عامل ہو یا گستاخ رسول ﷺ ہو۔

مولانا عبدالحامد بدایونی کا دل درد قومی سے لبریز تھا۔ پاکستان کا استحکام اور عالم اسلام کا اتحاد اور سالمیت آپ کو ہر نفس عزیز تھی۔ اور اپنے اسی مشن کی راہ میں آپ ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو عالم فانی سے عالم جاودانی کی سمت کوچ کر گئے۔

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اور آخر میں پھر وہی سوال کہ مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ رحمہ کو تحریک پاکستان کے ایک اہم ترین رہنما کی حیثیت سے معاصر تاریخ میں کیوں نمایاں مقام نہیں مل سکا..... تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جب تاریخی شعور اور قرطاس وقلم سے وابستگی کو ہم اپنے درمیان فروغ نہیں دیں گے تو غیر ہی ہماری تاریخ لکھیں گے..... اور غیروں کے کسی عمل کا شکوہ کیا۔

ڈپٹی ڈائریکٹر
قائداعظم اکادمی
کراچی

خواجہ رضی حیدر
۶۷۔ بی، بلاک نمبر ۱۰
گلشن اقبال، کراچی

چند تاریخی حقائق

تحریک پاکستان کا نام آتے ہی بعض لوگ بے خبری کی وجہ سے اور بعض تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے علماء یا دینی طبقہ پر بے تحاشا برستے اور انہیں کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ گویا دینی حلقوں کے سارے طبقے، پاکستان کے شدید ترین مخالف تھے اور پاکستان بنایا ہے تو صرف جاگیرداروں، چند سرمایہ داروں، بیورو کریسی کے افسروں یا سروں اور خان بہادروں نے۔

انہیں مولانا حسرت موہانی کی تاریخی جدوجہد اور چکی کی مشقت نظر آتی ہے نہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی جان و مال کی قربانیاں اور پاکستان کے لئے رات دن ایک کر دینا، وہ بہادر یار جنگ کی شعلہ بیانی اور معجزانہ خطابت کو کوئی وزن دیتے ہیں اور نہ سرحد میں پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف کی خدمات کو کسی کھاتے میں ڈالتے ہیں، وہ اس تاریخی حقیقت کو بھی فراموش کر دینا اور تاریخ کے صفحات سے محو کر دینا چاہتے ہیں کہ برعظیم میں سواد اعظم کے رہنماؤں نے ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۶ء تک آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں فقید المثال اجتماعات منعقد کر کے کھلے عام پاکستان کو ایک پُر جوش عوامی مطالبے کی صورت دی۔ انہیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ قرآن مجید کے مفسر اور نامور عالم دین صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے ایک بہت بڑی کانفرنس میں یہ تاریخی جملہ کہا کہ "اب اگر

قائداعظم محمد علی جناح بھی خدانخواستہ کسی وجہ سے پاکستان کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں تو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور پاکستان بنا کر دم لیں گے۔"

جو نہ سننا چاہے اُسے کون سنا سکتا ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب انگریز نے مسلم لیگ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کسی ایک صوبے کی اسمبلی سے پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کرائے تو سندھ میں یہ پیر عبدالرحمن بھرچونڈی شریف ہی تھے جنہوں نے رات دن ایک کر کے اپنے مریدین کانگریسی ممبران سندھ اسمبلی سے بھی پاکستان کے حق میں ووٹ ڈلوا کر قرارداد منظور کرائی اور جب تک یہ قرارداد منظور نہ ہوئی انہوں نے خواب و خور کی پروا تک نہ کی۔ ہمیں تسلیم ہے کہ علماء کے ایک طبقہ نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی مگر مسلمانانِ ہندوستان نے انہیں مسترد کر کے انہی زعما کی پیروی کی جنہیں وہ عقائد و نظریات کے بارے میں اپنا اصلی اور حقیقی رہنما سمجھتے تھے، چوں کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد قائداعظم انتقال کر گئے اور تاریخ کا قلم ان لوگوں کے ہاتھ آ گیا جو مذہب کے نام سے الرجک تھے۔ چناں چہ انہوں نے ایسے تمام لوگوں کو کہ جن کے دم قدم سے تحریک پاکستان کامیابی سے ہم کنار ہوئی پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا، اور بتدریج تحریک پاکستان کے اسباب، مقاصد اور مضمرات سے بے خبر لوگوں کو ابھارنے لگے، یہ شتر بے مہار قسم کے لوگ پرلے درجہ کے مفاد پرست، لالچی، جاہ و منصب کو سب کچھ سمجھنے والے اور بدکردار تھے۔ صورت حال یہ ہو گئی۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

پاکستان کی تاریخ کسی طور مکمل نہیں کہلائے گی اگر اس میں لسان پاکستان مولانا

عبدالحامد بدایونی کی مجاہدانہ جد وجہد کا تذکرہ شامل نہ ہو، مولانا بدایونی اگر کسی زندہ قوم میں ہوتے تو ملکی سطح پر ان کی یادگاریں قائم ہوتیں، ان پر کتابیں لکھی جاتیں، پاکستان کے محسنوں میں سرفہرست ان کا نام ہوتا مگر ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس وقت میرے سامنے مولانا بدایونی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو انہوں نے ۳۰ راگست ۱۹۴۱ء کو رائے کوٹ ضلع لدھیانہ کی "پاکستان کانفرنس" میں پڑھا۔

جن لوگوں نے مولانا بدایونی کی تقریریں سنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فصاحت و بلاغت کے پیغمبری ورثے سے پوری طرح نوازا تھا، ان کی آواز میں بلا کی دلکشی، خصوصی لوچ اور مٹھاس تھی، وہ جب شائستہ، شستہ، گداختہ اور نستعلیق زبان میں گفتگو کرتے تو دل چاہتا کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ وہ اپنے سروقد، متوجّی صورت اور اسلامی حلیہ و سیرت کے ساتھ اسٹیج پر آتے، تو قلب و نظر کو شکار کر لیتے۔ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لئے کیسے کیسے لوگوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔

یہ خطبۂ صدارت پڑھ کر مولانا بدایونی کی سیاسی بصیرت، اُس وقت کے حالات و واقعات پر ان کی گہری نظر اور مخالفین پاکستان کے بارے میں حکمت و موعظت کا جذبہ واضح طور پر نظر آتا ہے یہ باتیں معمولی نہیں ہیں۔ یہ ایک حقیقی راہنما کے اوصاف ہیں جو قدرت ہر کسی کو نہیں عطا کرتی۔

آج پاکستان کے اسباب اور محرکات کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں گویا ع شُد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

ظاہر ہے کہ قائد اعظم محمد علی اور اُن کے دوش بدوش چلنے والے قافلے کے معتمد

اور سرکردہ افراد سے بڑھ کر اور کسے حق پہونچتا ہے کہ وہ قیام پاکستان کے اسباب اور محرکات کی من مانی اور خود ایجاد کردہ توجیہات پیش کرتا رہے۔

صاف اور سیدھی بات ہے کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی مملکت بننے کے لئے وجود میں آیا تھا جہاں کتاب و سنت کے مطابق ایک منصفانہ عادلانہ حکومت قائم ہو جو دنیائے اسلام کے ممالک کے لئے رول ماڈل کا کام کرے۔

اگر خدانخواستہ اسے عملاً یا اعلانیہ سیکولر حکومت بنا تھا تو پھر متحدہ ہندوستان کی سیکولر حکومت میں نماز، روزے یا عبادت سے کس نے مسلمانوں کو روکا تھا؟ پھر کیا پاکستان صرف کچھ افراد اور اداروں کو نوازنے کے لئے بنایا جارہا تھا؟

اگر قائداعظم محمد علی جناح اسلام کی نہیں صرف ایسے مسلمانوں کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ فکر، مشکوک ذہن یا جہالت کی حد تک اسلام سے ناواقف اور متوحش تھے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اسلام اسلام کا لفظ ہر جگہ انہوں نے محض دکھاوے کے لئے استعمال کیا تاکہ وہ عام مسلمانوں کی ہمدردیاں سمیٹ سکیں۔

حال آں کہ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اپنے تو اپنے پرائے بھی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ دورنگی، منافقت اور دوغلے پن ایسی گھٹیا باتوں سے بہت بلند اور اکل کھرے انسان تھے۔ اگر مولانا بدایونی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، مولوی محرم علی چشتی، مولانا عبدالستار خان نیازی یا مشائخ صوفیہ کو کسی مرحلے پر ذرہ بھر بھی اس بات کا احساس ہوتا کہ اسلام کا نعرہ محض دکھاوے کے لئے ہے تو یہ پرجوش اور مخلص مسلمان زُعماء ایک قدم بھی قائداعظم کے

ساتھ چلنے کے لئے تیار نہ ہوتے اور جہاں بھی انہیں یہ احساس ہوتا وہیں سے پیچھے ہٹ جاتے۔

مولانا بدایونی پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے خطبے میں فرماتے ہیں۔

''ہمارے سامنے صرف چند ملازمتوں یا عہدہ جات کا ہی سوال نہیں ہے بلکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مغربی جمہوریت اور اس کی تعلیم نے ہم مسلمانوں کو اپنی اصل منزل سے بہت دور کر دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے آزاد منطقوں میں جہاں ہماری اکثریت ہو، اسلامی قوانین کے ماتحت حکومت الٰہیہ قائم کریں، جس میں عدل وانصاف کارفرما ہو۔ جہاں اپنے مسلمانوں کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے جائیں جو قرآنی ارشادات کے مطابق ہوں، وہیں جو غیر مسلم اقلیت ہمارے صوبوں میں آباد ہو، اس کو ترقی کا پورا موقع دیں۔۔۔۔۔ جب ہمارا کلچر، ہماری تہذیب اقوامِ مغرب اور اصنام پرستوں سے مختلف، ہمارے مذہبی احکام، دوسرے مذاہب سے علٰحدہ۔ طریقۂ زندگی، موت وحیات کے معمولات میں فرق اور سب سے بڑی چیز یہ کہ تصوّر الوہیت میں دوسروں سے اشتراک نہیں۔۔۔۔۔ مجھے ان حضرات کی حالت پر حد درجہ افسوس ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت کا درمیان میں نام نہ آنے پائے''۔

یوں قائداعظم محمد علی جناح نے بار بار کھل کر وضاحت کی ہے کہ پاکستان کا نظام حکومت کس قسم کا ہوگا میں یہاں پر بطور خاص اُن کے اس بیان کا حوالہ دینا چاہوں گا جو ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی میں طلبہ کے اجلاس سے خطاب کرتے

ہوئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے دیا۔ اور ہنٹ پریس کے نمائندے نے اس کی رپورٹ مرتب کی اس کے مطابق قائداعظم سے پوچھا گیا کہ اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے انہوں نے کہا'' اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز (ہمیشہ) پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں، اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کر سکتے ہیں، اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے لامحالہ آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔''

کیا اسلام کے آئین جہانبانی اور اصول حکمرانی کی اس سے بہتر توضیح ممکن ہے؟

اسی طرح آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی ۲۴ر اپریل ۱۹۴۳ء کو قائداعظم نے کہا۔

''معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی اسے آخرالامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روح اسلام ہے۔''

تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان کی تحریک اور اس کے قیام میں خود ہندوؤں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آزادی کی منزل قریب آنے لگی تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ روایتی تعصب، عناد اور بغض کے رویے میں مبالغہ آمیز حد تک شدت اختیار کرلی، گاندھی نے واضح طور پر کہا:

"میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیوں کہ میں ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں اوتاروں کا قائل ہوں اور تناسخ کے عقیدہ پر یقین رکھتا ہوں، میں گئو رکھشا کو اپنے مذہب کا جزو سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا، میرے جسم کا رُواں رُواں ہندو ہے۔" (ینگ انڈیا ۱۲/اکتوبر ۱۹۳۱ء، بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام مارچ ۱۹۶۹ء)

پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اُسے ہندوستان میں اور دوسری جگہ دیکھ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہوگیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے تک کی آرزو کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی کا دشمن، بے دلیل عقیدت اور تعصب کا، توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا، قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق کی بقا کا حامی ہے۔" (بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، ص ۴۹-۵۰، میری کہانی ص ۱۶۱)

ہندو دھرم کی اسی خطرناک اور دورنگی پالیسی نے مسلم قومیت کے تشخص کو اُبھارا اور اسے تقویت بخشی، علامہ اقبال نے فرمایا:

نکتہ دارد برہمن کار خود را — نمی گوید بہ کس اسرار خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگذر — بدوشِ خود برد زنار خود را!

یہ عجیب اتفاق ہے کہ کچھ لوگوں نے اعتقادی مسائل کی طرح سیاسی معاملات

میں بھی مسلمانوں کی واضح اکثریت کے برخلاف طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے پاکستان کی کھل کر مخالفت کی اگرچہ مسلمانوں نے من حیث القوم اس انداز فکر کو رد کردیا۔ جب ایسے لوگوں نے گاندھی جی کو مسجد خیر الدین امرتسر میں منبر پر بٹھایا تو فاضل بریلوی چیخ اٹھے اور انہوں نے کہا:

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خود داری وہ تمہیں ملیچھ (ملیچھ) جانیں، بھنگی مانیں تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہوجائے، سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں...... حال آں کہ بحکم قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ..... مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا بہرا کردیا۔" (المحجۃ المؤتمنۃ: ۸۴)

سوادِ اعظم کا یہی وہ قافلہ تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں پھانسی کے پھندوں اور خون کے نذرانوں سے تحریک آزادی کی بنیاد رکھی، ان پُرآشوب حالات میں اس قافلے کے رہنماؤں نے علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی ترجمانی کے لئے منتخب کیا اور خود ان کی بڑی اکثریت مسلم لیگ کے پرجوش، مستعد اور تازہ دم ورکروں اور مبلغین کی صورت میں ہندوستان بھر میں پھیل گئی۔

مولانا بدایونی نے دوسرے علمائے حق کی طرح قیام پاکستان کے بعد بھی اس کی اساس اور بنیادی نظریئے کی شمع فروزاں رکھنے اور اس کی روشنی میں مملکت خداداد کو ایک اسلامی جمہوری ریاست کے طور پر پھلتے پھولتے دیکھنے کی شدید آرزو کو کبھی مدھم ہونے نہیں دیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے اُن کی جہد مسلسل اور

عظیم خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ بدایونیؒ کی نگاہِ بصیرت پاکستان کے پڑوس میں واقع محکوم وسطی ایشیائی اسلامی ریاستوں اور اُبھرتی ہوئی عظیم قوت..... چین کے ساتھ تعلقات کی اہمیت و افادیت کو خوب جانچ چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۵۷ء میں علماء کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے روس کے زیرِ تسلط مسلم ریاستوں کا مفید اور کامیاب دورہ کیا اور آزاد دنیا کو سوویت یونین کے مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کیا۔

اس سے قبل ۱۹۵۵ء میں انہوں نے ایسا ہی ایک وفد لے کر کمیونسٹ چین کا دورہ کیا تھا اور وہاں کے مسلمانوں سے رابطہ قائم کیا۔ خاص طور سے صوبہ سنکیانگ کے مسلمانوں سے قریبی تعلق نے پاکستان اور چین کے درمیان خوشگوار تعلقات کو وسعت اور استحکام کی بنیاد فراہم کی۔

مولانا مرحوم کی مساعیِ جمیلہ سے آج نسلِ نو اگر پوری طرح آگاہ نہیں تو اس کے ذمہ دار جمعیت العلمائے پاکستان اور مسلم لیگ کے قائدین کے ساتھ ساتھ سُنّی اہلِ قلم بھی ہیں کہ ان کے تساہل اور چشم پوشی کی بدولت آج تحریکِ پاکستان کے بدترین مخالف ''ہیرو'' بنا دیئے گئے ہیں اور آزادی کے چراغ جن کے لہو سے روشن ہوئے وہ طاقِ نسیاں کے سپرد کر دیئے گئے۔

حضرت بدایونیؒ (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۰ء) نے زندگی کے آخری تیئس (۲۳) برس پاکستان کو اس کے نظریہ سے ہم آہنگ بنانے کے لیے طویل جدوجہد کی اور تادمِ واپسیں اس سعیِ جمیل میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ آج ہم ان کے زیرِ نظر خطبۂ صدارت اور اُن کے آخری ایام کے خطابات کا موازنہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا

ہے کہ پیرانہ سالی میں بھی اُن کا ایمان، اُن کا جذبہ اور اُن کا عزم ۱۹۴۱ء کی طرح ہی پوری طرح توانا اور جواں تھا۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

سید محمد فاروق القادری
سجادہ نشین خانقاہ قادریہ گڑھی اختیار خاں
ضلع رحیم یار خان

الحاج حضرت مولانا عبدالحامد صاحب قادری بدایونی

جو

رائے کوٹ ضلع لودھیانہ پاکستان کانفرنس میں

۳۰؍ اگست ۱۹۴۱ء کو پڑھا گیا

سکریٹری مجلس استقبالیہ رائے کوٹ

ضلع لودھیانہ

نے شائع کیا

محمد احید الدین ایف آر۔ ایس۔ اے۔ لندن پرنٹر

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

۵۲ ویں یوم آزادی، ۱۴؍ اگست ۱۹۹۹ء

کے موقع پر محکمہ ڈاک کی طرف سے جاری شدہ

ٹکٹ کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادرانِ ملت!

مجھے دلی مسرت ہے کہ آپ حضرات نے اپنے جوشِ محبت اور جذبۂ مروت کے ساتھ اس اجتماع میں نہ صرف شرکت کا موقع دیا بلکہ میرے سر اس اہم خدمت کی ذمہ داری بھی عاید کر دی جسے عرفِ عام میں صدارت کہا جاتا ہے میں اپنے عمیق جذبات اور منت پذیری کے ساتھ عرض کروں گا کہ پنجاب جیسے وسیع خطے اور مردم خیز صوبہ میں مجھ سے بہت زیادہ اہلیت رکھنے والے حضرات موجود تھے جنھیں یہ خدمت سپرد کی جا سکتی تھی۔ صدارت پر شکر و امتنان ایک رسمی اور رواجی معمول ہے جو ادا کیا جاتا ہے مگر پورے خلوص اور محبت کے ساتھ آپکا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے صدر بنا کر میری عزت افزائی فرمائی۔

لدھیانہ کی اہمیت

لدھیانہ پنجاب کے اُن مخصوص اضلاع میں کا ایک ضلع ہے۔ جو تحریکِ خلافت سے اب تک برابر قومی و ملی تحریکات میں پیش پیش رہا ہے۔ یہاں کے اکابر اور نامور علماء و زعماء برابر ملکی سیاست میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ اور اسوقت بھی منہمک ہیں اگرچہ ہمارے ان کے طریقِ نظر میں فی الحال اختلاف ہے تاہم ان کی مساعی بطور

خود خدمات کی منادی ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ ان حضرات کی کوششیں
ملت اسلامیہ کی تعمیر اور تنظیم میں اخوت کی عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوں اس
کانفرنس کے اغراض و مقاصد جیسا کہ اخبارات و مراسلات سے ظاہر ہوا۔ یہ
ہیں کہ مسئلۂ پاکستان پر روشنی ڈالی جائے اور شبہات و اعتراضات کا ازالہ
کرتے ہوئے ایک بسیط تبصرہ کر دیا جائے۔

تاریخ ماضی کا تذکرہ

حضرات! تقسیم ہند کی تجویز پر بحث کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ آپ کے سامنے تاریخ ماضی کے چند
اوراق پیش کر دیئے جائیں تاکہ نتائج نکالنے میں آسانی ہو۔ اور یہ بھی معلوم
ہو جائے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانان ہند کی اب تک کیا خدمات انجام دی ہیں۔
اٹھارویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کا سیاسی زوال اپنی آخری حدود
کو پہنچ چکا تھا۔ دہلی کی سلطنت جسم بے روح سے زیادہ نہ تھی۔ ادھر انگریز مسلمانوں کے
قلب و دماغ سے ہزار سالہ دورِ حکومت کے خیالات فنا کرنے میں مصروف تھے
دوسری جانب ابنائے وطن دیرینہ مسلم دشمنی کے باعث مسلمانوں کی حیاتِ ملی کو
فنا کرنے کی فکر میں تھے۔ اسلئے ہر وہ تحریک جو مسلمانوں کے خلاف شروع ہوتی وہ
اسکا ساتھ دیتے۔ اب نہ بہادر شاہ باقی تھے نہ دہلی کی سلطنت کا حشمت و جلال
البتہ رنگون کے پولو گراؤنڈ کے کنارے گھوڑے کی ٹاپوں سے روندا ہوا ایک مزار
نظر آرہا تھا جس سے درد و کرب کے ساتھ یہ صدا آرہی تھی۔

پئے حسرت پڑھے فاتحہ بھلا اے ظفر نہاں کر
وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشاں اسے ٹھوکروں سے مٹا دیا

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ مسلمانوں کی سلطنت ہی کو نہیں مٹا گیا بلکہ اسلامی عزت و
اقتدار کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جو قوم ایک ہزار سال تک ہندوستان میں
حکومت کر چکی تھی آہستہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔
تاریخ کے اوراق میں ہماری ترقی و زوال کی جو درد انگیز داستانیں موجود
ہیں یہاں اُن کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کرنا غم و اضطراب کا باعث ہوگا۔
انگریزوں نے اپنے تسلط کے بعد ابنائے وطن کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آگے
بڑھایا۔ تعلیم، ملازمت، تجارت، حکومت کے ہر شعبہ میں انھیں ترقی کا موقع دیا
گیا۔ اور مسلمانوں کو پستی میں ڈالا گیا۔

قیام کانگریس

۱۸۸۵ء میں امداد حکومت کانگریس کمیٹی قائم ہوئی جسکا کام فقط تاج برطانیہ کی وفاداری تھا۔ اسی طرح ۱۸۸۶ء میں
انڈین ایسوسی ایشن اور محبانِ وطن جیسی جماعتیں اپنی قوم کے حقوق کے لئے
بنائی گئیں۔
مگر مسلمانوں کا نہ کوئی نظام تھا نہ سیاسی و قومی ادارہ جو انکی دستگیری
کرتا۔ چند باخدا اور حق گو علماء جو طوقِ غلامی کو توڑنا چاہتے تھے پہلے ہی ختم کئے
جا چکے تھے۔ علوم دینیہ کے مراکز کی روح نکال دی گئی تھی۔ غرض یہ دور مسلمانوں
کے لئے انتہائی الم ناکیوں کا مرقع تھا۔

انگریزی تعلیم

تھوڑے عرصہ بعد انگریزی تعلیم کی تحریک شروع ہوئی مسلمان بھی اسکی تحصیل کے لئے آمادہ کئے گئے۔ مغربی تعلیم اگرچہ
مسلمانوں کے مستقبل کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ جس نے غلامی اور محکومیت کی زنجیریں

بہادیں۔ مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ تعلیم یافتہ طبقہ مغرب کی سیاست سے باخبر ہو گیا۔ اب آہستہ آہستہ ہماری قوم میں راجہ محمود آباد، مولانا محمد علی، ڈاکٹر اقبال مسٹر محمد علی جناح، مولانا حسرت، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علیخاں جیسے زعماء بھی پیدا ہو گئے۔ جن کے قلوب ملی و قومی جذبات سے لبریز تھے اور جو مغربی سیاسیات میں بھی پوری مہارت حاصل کر چکے تھے۔

مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا آغاز

مسلمانانِ ہند کی سیاسی تنظیم کی داغ بیل نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک نے ڈالی۔ انھوں نے اپنی مسلسل تقاریر سے مسلمانوں کے مردہ قلوب میں قوت پیدا کر دی۔

۱ دسمبر ۱۹۰۵ء میں حکومت کی طرف سے تقسیم بنگالہ کا اعلان کیا گیا جس کے ماتحت مشرقی بنگالہ کو ترقی کے مواقع حاصل ہو جاتے، مگر ابنائے وطن نے اسکے خلاف سخت شورش برپا کر دی اسی زمانہ میں لارڈ منٹو نے جدید اصلاحات کیلئے ایک کمیشن بٹھایا۔ نواب محسن الملک نے اپنے اثرات سے مسلم زعماء کو جو مختلف گوشوں میں منتشر تھے مجتمع کر کے ایک میموریل مرتب کیا جس میں مسلمانوں کی گذشتہ عظمت، تاریخی اہمیت، جداگانہ حق انتخاب، موثر نیابت، معین نشست وغیرہ پر زور دیا گیا تھا۔ گورنر جنرل کے روبرو پیش کیا۔ جو عرف عام میں شملہ ڈیپوٹیشن کے نام سے موسوم ہے۔

مسلم لیگ کا قیام

اس وفد کے بعد طے کیا گیا کہ مسلمانوں کے ان حقوق کو منظم طور پر حاصل کرنے کے لئے ایک سیاسی ادارہ

بنایا جائے، چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں نواب وقار الملک کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ نواب محسن الملک اور ان کے رفقائے کار نے تھوڑے عرصہ میں شدید محنت کرنے کے بعد مسلم لیگ کے مقاصد کو سارے ملک میں پہونچا دیا۔ اور ہندوستان کے صوبہ جات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں حسب ذیل مقامات پر ابتدائی برسوں میں مسلم لیگ کی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

۱۹۰۷ء میں بمقام کراچی، ۱۹۰۸ء میں بمقام امرتسر ۱۹۰۹ء میں بمقام دہلی ۱۹۱۰ء میں بمقام ناگپور۔ ان مجالس کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کو غیر معمولی ہمدردیاں حاصل ہو گئیں۔

ابنائے وطن مسلم لیگ کی تنظیم کو کسی طرح پسند نہ کرتے تھے اور ملک کے مختلف گوشوں میں ہندو مسلم تنازعات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ جس سے فضا حد درجہ مکدر ہو چکی تھی۔ مسلم رہنما برابر مسلمانوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کر رہے تھے مگر دوسری جانب سے یورشیں ہو رہی تھیں۔ وہ مسلمانوں میں اضطراب کا باعث تھیں۔

مسٹر گوکھلے اور مسلمانوں کے حقوق کا اعتراف

۱۹۰۷ء میں مسٹر گوکھلے نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے دورہ کیا۔ علیگڑھ کی تقریر میں انھوں نے کہا

چونکہ مسلمانوں کا گروہ تعداد میں ہندوؤں سے کم ہے لہذا انکو خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم انگریزوں کی حکومت سے نکل کر ہندوؤں کی حکومت میں آ جائیں، یہ خیال ایسا نہیں ہے جسے مذاق میں اڑا دیا جائے

جو حالت بھی ظاہر و مختاری اس وقت مسلمانوں کی ہے۔ اگر یہی ہندؤں کی ہوتی تو ہم بھی وہی پالیسی اختیار کرتے جیسی مسلمان عمل کر رہے ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی سیاسیات میں شرکت

سنہ ۱۹۱۰ء کا وہ مبارک سال تھا جب میں مولانا محمد علی ملازمت ترک کر کے ریاستوں کے عہدہ جات کو ٹھکرا کر ملت اسلامیہ کی خدمات کے لئے سیاسیات میں شامل تھے۔ اگرچہ وہ مسلم لیگ کی تاسیس کے وقت بھی موجود تھے لیکن سنہ ۱۹۱۰ء میں میدانِ سیاست کے اندر آکر مولانا نے اپنی قابلیت اور خداداد ذہانت سے جس قسم کی خدمات شروع فرمائیں انھوں نے ہوا کا رُخ بھی پلٹ دیا۔

تقسیم بنگالہ کی تنسیخ کا اعلان

سنہ ۱۹۱۱ء میں حکومت ہند نے دہلی کی تاجپوشی کے دربار کے موقع پر مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر تقسیم بنگالہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ لارڈ کرزن خود بنگالہ جا کر مسلمانوں کو یقین دلا چکے تھے کہ وہ اس تقسیم کی رو سے ایک علیحدہ اسلامی صوبہ قائم رکھیں گے اسی طرح اس وقت کے وزیر ہند نے بھی کہا کہ بنگال کی تقسیم کا مسئلہ ناقابل تنسیخ ہے۔

اس تنسیخ کے اعلان نے مسلمانوں میں اضطراب انگیز جذبات پیدا کر دیئے اور اس امر کا یقین کر لیا گیا کہ حکومت ابنائے وطن سے متاثر ہو کر اپنے مواعید و اعلانات کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ تقسیم بنگالہ کے معاملہ میں مسلمان اپنی آواز برابر اٹھاتے رہے۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں آگرہ کے اندر آل انڈیا مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس سر ابراہیم رحمت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ وہ اجتماعی حیثیت سے تاریخی اجلاس تھا۔ اس اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مسٹر محمد علی جناح مسٹر فضل الحق جیسے اکابر شریک تھے۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے حقوق وغیرہ کے اہم معاملات پیش ہوئے۔

فیض آباد میں قربانی گاؤ کی بندش پر سخت احتجاجی تجویز منظور ہوئی۔

مسجد کانپور کا المناک حادثہ

اسی زمانہ میں مچھلی بازار کی مسجد کا وہ دردناک واقعہ رونما ہوا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا کر دیا۔ مسجد پر گولیوں کی بارش مسلمانوں کا بیدردی سے قتل و مجروح ہونا یہ ایسے واقعات تھے جس نے مسلمانان ہند کے جذبات میں ایک نیا طوفان برپا کر دیا۔ حکومت یو۔ پی نے یہ اقدام کر کے مسلمانوں کی آنکھوں کو کھول دیا۔

وہ حضرات علمائے کرام و مشائخین عظام جو اپنی خانقاہوں اور مدارس میں بیٹھ کر خدمت کر رہے تھے لیکن میدان سیاست میں نہ آتے تھے باہر نکل آئے چنانچہ مولانا آزاد سبحانی۔ حضرت مولانا عبدالباری۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی۔ حضرت مولانا فاخر الہ آبادی۔ جیسے مقدس و محترم حضرات بھی نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اس حادثہ کے بعد یقین کر لیا کہ ہمارے معابد بھی اس دور میں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ مسلمانوں کی خفتہ قوتیں بیدار ہو گئیں۔

جنگِ طرابلس و بلقان اور مسلمانانِ ہندوستان

عین اسوقت جب کہ مسلم زعماء اپنی ملت کے شیرازہ کو مجتمع کر رہے تھے اقوامِ یورپ اسلامی سلطنتوں کو پامال کرنے میں منہمک ہو گئیں۔ جنگ طرابلس کے حالات نے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو بے چین کر دیا۔

ان کے خیالات کے اظہار پر ہر قسم کی پابندیاں تھیں مگر ممکن نہ تھا کہ جنگ طرابلس کے خونی حادثے سے بے چین نہ ہوتے، مسلمانانِ ہند نے ہر گوشہ سے اپنے بھائیوں کی حمایت اور امداد کی کوشش شروع کر دی۔

ابھی طرابلس کے مظلوموں کا غم نہ گیا تھا کہ جنگ بلقان شروع ہو گئی روس اور اٹلی عالم اسلامی پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں دینے لگے۔

مغربی اقوام نے متحدہ طور پر ترکوں کی تباہی و بربادی کے لئے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیئے۔ جو مظالم مسلمانوں پر ہوئے اسکا مختصر حال بحوالہ کامریڈ مورخہ ۸ فروری ۱۹۱۳ء سنیئے۔

"مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ مسلمان عورتوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا ان کے خاوندوں کو قتل کر دیا گیا۔ دو لاکھ چالیس ہزار مسلمان شہید کئے گئے۔"

اس جنگ کو تمام عیسائی دنیا نے صلیبی جنگ سے تعبیر کیا مسٹر اسکوتھ وزیر خارجہ برطانیہ نے اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ دیا۔

"ساتویں صدی سے سترھویں صدی تک مغرب کو جو صدمات اسلام نے پہونچائے ہیں۔ اب ان سب کے بدلہ کا وقت ہے۔ اس لئے ایک طرف ترکی اور دوسری طرف پرشیا سے اسلامی طاقت کو تباہ کیا جائے گا۔"

ممکن نہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان جو عالم اسلامی کی برادری کے ایک رکن ہیں ان حالات سے متاثر نہ ہوتے، اسی زمانہ میں نواب وقار الملک نے علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ ان واقعات کے دیکھنے کے بعد جو اسوقت مشاہدہ میں آ رہے ہیں مسلمانوں کو یہ مشورہ دینا کہ وہ گورنمنٹ پر بھروسہ کریں لاحاصل شدہ ہے۔ اب زمانہ اس قسم کے اعتماد کا نہیں رہا۔"

ادہر مولانا ابو الکلام کی خطابت، مولانا محمد علی مولانا ظفر علی خاں کی پرجوش تحاریر نے مسلمانوں میں زبردست جذبات پیدا کر دیئے۔ ایک طبی وفد ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں روانہ کیا گیا۔ دوسرا وفد مسلمانان مدراس نے بھیجا وفد نے ترکی جا کر مجروحین کی ہر قسم کی امداد کی۔ اس وفد کے پہونچنے سے مسلمانانِ ہندوستان اور عالم اسلامی کے ٹوٹے ہوئے رشتے قائم ہو گئے تحریک خدام کعبہ نے ملک کے ہر گوشہ میں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی وغیرہ کی کوششوں سے مسلمانوں کے اندر ولولۂ عمل پیدا کر دیا۔ ادہر مولانا محمد علی کا اخبار کامریڈ مسلمانوں میں نئی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ حکومت نے مولانا کے اخبار کامریڈ کو پریس ایکٹ کا شکار کیا۔ مولانا نے جس پامردی استقلال سے مقابلہ کیا وہ قابل مثال تھا۔

خادم کعبہ کی تحریک عرصہ تک جاری رہی جس میں مسلم لیگ کے اکثر و بیشتر زعماء شریک رہے۔ اگرچہ ان بیرونی مساعی کی وجہ سے مسلمانوں کی

توجہات عالم اسلامی کی طرف منعطف تھیں مگر آل انڈیا مسلم لیگ اپنا کام کرتی رہی

ہندو مسلم اتحاد کی مساعی

۱۹۱۵ء میں مولوی مظہر الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس اس لحاظ سے ایک تاریخی اجلاس تھا کہ پنڈت مالویہ سریندر ناتھ بنرجی، مسز اینی بسنٹ، مسٹر گاندھی مسلم زعماء کے ساتھ بیٹھے اور ہندو مسلم مسائل پر غور و مشورہ کیا گیا۔ بعد غور و فکر بعض حل تلاش کئے گئے۔

میثاق لکھنؤ

۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس زیر صدارت مسٹر محمد علی جناح منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے زمانہ میں آل انڈیا کانگریس کا بھی اجلاس ہو رہا تھا۔ اسی سال کانگریس کمیٹی نے آل انڈیا مسلم لیگ سے مسلمانوں کے حقوق کے متعلق میثاق کیا اور بنیادی مسائل کو تسلیم کیا۔

مسلمانوں کے اہم مسائل کو ہندو لیڈران سے تسلیم کرا لینا صرف مسٹر محمد علی جناح کی شخصیت ہی کا کام تھا۔ اس میثاق سے آل انڈیا مسلم لیگ کی حیثیت مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی ہو گئی۔

مولانا محمد علی و شوکت علی پر حکومت کا نزلہ

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔ حکومت ہند نے مولانا محمد علی کے اخبار پر مقدمہ چلایا۔ حکومت آغاز جنگ سے ہی مولانا اور ان کے برادر معظم کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جیسے جیسے جزیرۃ العرب اور ترکوں کے خلاف جنگ کا سلسلہ بڑھتا گیا حکومت

قوانین کو سخت سے سخت بنائی گئی۔ ڈیفنس ایکٹ کے ماتحت مولانا اور ان کے برادر معظم کو مہرولی میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور مولانا ظفر علی خاں کو ان کے صوبہ میں۔ مولانا محمد علی اور شوکت علی کو چھنڈواڑہ بھیج دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں مولانا ابو الکلام آزاد اور دوسرے علماء بھی اسیر کئے گئے۔

تحریک خلافت اور کانگریس

ترکی کی تباہی و بربادی کے اشارات اوپر آپ سن چکے۔ جزیرۃ العرب کا مقدس خطہ یورپ کے زیر نگیں لایا جانے والا تھا۔ اور وہاں کے پیدا شدہ حالات سے تمام دنیائے اسلامی میں ہیجان عظیم برپا تھا۔ اس لئے مسلم زعماء ہند نے طے کیا کہ مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب کی حفاظت کیلئے مجلس خلافت قائم کی جائے چنانچہ اسکا قیام عمل میں آیا۔

مولانا محمد علی، مولانا ابو الکلام آزاد، حضرت مولانا عبد الماجد صاحب قادری بدایونی، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر الہ آبادی، حکیم اجمل خاں صاحب، ڈاکٹر سید محمود، نواب محمد اسمٰعیل خاں، حضرت مولانا عبد الباری صاحب اور دوسرے علماء و اکابر نے پورے ہندوستان میں مجالس خلافت قائم کر دیں۔ مسلمانوں میں جیسا عظیم الشان جوش اس تحریک نے پیدا کیا وہ کسی دوسرے دور میں نظر نہیں آتا۔ اسی زمانہ میں جلیانوالہ باغ کے حادثہ نے ابنائے وطن کو بھی حکومت کیطرف سے مضطرب کر دیا۔

اسلئے فیصلہ کیا گیا کہ مجلس خلافت اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی دونوں مل کر آزادی وطن اور حفاظت جزیرۃ العرب کا کام کریں۔ ہندو لیڈران کا مسلمانوں کو ساتھ لیکر کام کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ مگر مولانا محمد علی جیسے بلند ہمت بزرگ نے اقدام کیا

سب سے پہلے مسٹر سی آر داس کو ہموار کیا گیا اسکے بعد مسٹر گاندھی پر مولانا نے اثرات ڈالے، سب سے زیادہ دشواری انھیں کو تیار کرنے میں ہوئی. وہ کسی طرح حکومت کے مقابلہ پر آنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے. مگر مولانا کے زور بیان اور قوت تقریر کے سامنے وہ ٹھہر نہ سکے مجبوراً مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اب خلافت کمیٹی اور کانگریس دونوں نے متفقہ کوششیں شروع کر دیں.

علی برادران اور مسلم زعماء نے ابنائے وطن کے اتحاد کی خاطر اس زمانہ میں جو رواداریاں برتیں وہ اپنی حدود سے بھی متجاوز ہو گئی تھیں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گاندھی جی کی لیڈری چمکائی گئی مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں کے پوسٹروں کے عنوانات اس وقت یہ تھے۔

"مولانا عبدالباری کا فتویٰ اور گاندھی جی کا حکم"

مسلمانوں نے عزیز سے عزیز چیز بھی ہندو مسلم اتحاد کے لئے قربان کر دی اور وہ مثالیں پیش کیں جو دنیا میں یادگار رہیں گی۔ تحریک خلافت نے حکومت کے ایوانوں میں ہلچل ڈال دی مسلمانوں کا مستقبل روشن ہو گیا۔

مسٹر گاندھی اور ان کے رفقاء کا طرز عمل

عین اسوقت جبکہ حکومت آزادی ہند کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئی تھی. مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء جیلوں میں تھے گاندھی جی نے چوری چورا کے حادثہ کا بہانہ ڈھونڈھ کر باردولی تجویز کے ماتحت تحریک کو ختم کر کے ملک کو ہمیشہ کے لئے غلامی میں ڈھکیل دیا۔ گاندھی جی کا یہ فیصلہ سوچا سمجھا ہوا تھا. وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے اشتراک سے آزادی

حاصل ہوئی تو پھر ہندو راج کے منصوبے ختم ہو جائینگے اسلئے انھوں نے عجلت کے ساتھ مسلمانوں کی تمام قوت کو ختم کر دیا۔

شدھی و سنگھٹن

ادھر گاندھی جی نے تحریک کو ختم کیا۔ ادھر حکومت کے اشارے سے سوامی شردھانند اور مالویجی نے شدھی و سنگھٹن کا بگل بجا دیا۔ جاہل و بے خبر مسلمانوں کو آریہ بنایا جانے لگا اور کھلم کھلا اس کی تبلیغ ہونے لگی کہ مسلمان ناپاک ہیں ان عرب سے آنیوالوں کو یا ہندوستان سے نکال دیا جاوے یا ہندو دھرم میں لے آیا جائے۔ اس تحریک کے ابتدائی دور میں حضرت برادر معظم مولانا عبدالماجد صاحب قادری اور میں گاندھی جی سے ملے. کئی گھنٹہ تک انھیں سمجھایا کہ اس تحریک کو روکیں ورنہ ہماری قومی تحریک آزادی خاک میں مل جائے گی. مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے چنانچہ ہم دونوں بھائیوں نے اسیوقت سے کانگریس کو چھوڑا مسلمانوں کو ان کے مذہب سے نکالنا کس طرح گوارا ہو سکتا تھا. مجبوراً حضرت برادر معظم نے آگرہ میں مجلس نمایندگان تبلیغ قائم کر کے فتنۂ ارتداد سے بچانے کی مساعی جاری کر دیں. نواب عبدالوہاب خاں، مولانا سید غلام بھیک نیرنگ مولانا سید عبدالحی نے اس تحریک میں پوری محنت سے کام کیا۔

شدھی و سنگھٹن کی تحریکات کے بعد وہ مسلم زعماء جو کانگریس میں تھے آہستہ آہستہ کانگریس سے مستعفی ہونے لگے. چنانچہ مولانا ظفر علیخاں، مولانا حسرت ڈاکٹر سیف الدین کچلو بھی کانگریس چھوڑنے پر مجبور ہوئے انھیں مواقع پر ایکبار مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک بیان میں فرمایا۔

"ہم اسے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انھوں نے دو ہی راستے دیکھے۔ گورنمنٹ پر اعتماد یا ہندوؤں اور کانگریس پر تکیہ۔"

اسی طرح جمعیۃ علماء دہلی جو آج کانگریس میں شریک ہے شدھی کے زمانہ میں علاقہ ارتداد میں پہونچکر مسلمانوں کو اس لعنت سے بچانے پر مجبور ہوئی اور کلکتہ کے اجلاس میں اوسنے تجویز منظور کی۔

"چونکہ برادرانِ وطن کے مخالفانہ طرزِ عمل سے منافرت کی خلیج وسیع ہو رہی ہے۔ اس لئے مسلمان اپنے بل پر ملک کو آزاد کرائیں۔"

غرض شدھی تحریک نے پورے ہندوستان کے اندر ہندو مسلم تنازعات بڑھائے مگر کانگریسی ارباب بسط و کشاد خاموشی سے دیکھتے رہے۔ مولانا محمد علی و شوکت علی اس فضاء میں بھی کانگریس کے اندر رہ کر کانگریسی ہندوؤں کو آزادیٔ وطن کی طرف مائل کرتے رہے۔ انھوں نے ایسی حالت میں جبکہ سارا ملک شدھی تحریک کی وجہ سے کانگریس سے متنفر ہو چکا تھا کانگریس کو نہ چھوڑا

نہرو رپورٹ

جب تک نہرو رپورٹ سامنے نہ آگئی وہ کانگریس سے علیحدہ نہ ہوئے۔ مولانا نے نہرو رپورٹ کے وقت ہندو لیڈران پر اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ کہ وہ حقیقی مقصد آزادیٔ وطن کی طرف متحرک ہوں۔ مگر جب نہرو رپورٹ میں ہندو راج کے منصوبوں کو مولانا نے دیکھ لیا۔ تو وہ کانگریس سے مستعفی ہو کر اپنی ملت کی خدمت میں منہمک ہو گئے اور اس قوت سے انھوں نے ملت اسلامیہ کی خدمت کی کہ کانگریس کا سد اقلعہ منہدم ہو گیا۔

مسلم کانفرنس کا قیام

چونکہ اس طرف مسلم لیگ کے عہدہ داران میں باہمی کشمکش اور اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جو کسی طرح طے نہ ہوتے تھے۔ اس لئے مسلم زعماء کا ایک بڑا حصہ اس طرف چلا گیا کہ ایک دوسرا ادارہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بنانا چاہیئے جس میں پرانے تجربہ کار زعماء جنھوں نے قربانیاں کیں ہیں۔ اور ہر قسم کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شامل ہوں۔ چنانچہ مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔

اس ادارے نے نواب اسمٰعیل خاں مولانا شوکت علی۔ مولانا شفیع داؤدی راجہ صاحب سلیم پور اور دوسرے اکابر کی مسلسل کوششوں کی بدولت چند سال کے اندر غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل کر لی، اور اسکے ماتحت مسلم حقوق کی تدوین و ترتیب وغیرہ کا کام شروع کر دیا گیا۔

مسٹر محمد علی جناح۔ مولانا محمد علی اور ملک کے دوسرے اکابر نے مجتمع ہو کر مسلم حقوق کا جو خاکہ مسلم کانفرنس میں ترتیب دیا وہی آگے چل کر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اساس کے طور پر سامنے آیا۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے قبل بھی مسلم زعماء برابر کوشش کرتے رہے۔ کہ کسی طرح ہندو لیڈران مسلم حقوق پر سمجھوتہ کر لیں۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں بھی مولانا محمد علی نے انتہائی کوشش فرمائی کہ سمجھوتہ ہو جائے۔ مگر گاندھی جی نیشنلسٹ پارٹی اور سکھوں کو آمادہ کر لینے کا بہانہ کر کے سمجھوتہ سے منحرف ہو گئے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ وزیر اعظم برطانیہ ثالث قرار پائے۔

۳۵ء ایکٹ

حکومت نے ۳۵ء میں جو ایکٹ بنایا تھا وہ اگرچہ بحیثیت مجموعی ہر جماعت کے نزدیک قابل استرداد تھا مگر اس کے بالمقابل کوئی دوسرا حل اسوقت تک نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ متحدہ مسلم سمجھوتہ نہ ہو۔ اسلئے کانگریس اور مسلم لیگ اس سے استفادہ پر مجبور تھیں اگرچہ اس ایکٹ میں مسلم مطالبات کو قبول نہیں کیا گیا تھا مگر قائد ملت سند یہ مسٹر محمد علی جناح کے چند اہم نکات تسلیم کرلئے گئے تھے۔

اتحاد مسلمین کی مبارک تحریک اور مسلم لیگ کی تنظیم جدید

راونڈ ٹیبل کانفرنس میں سید الاحرار مولانا محمد علی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس حادثہ نے مسلمانان ہند کی کمر توڑ دی اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ اب مسلمانوں کا کوئی سیاسی ناخدا باقی نہیں رہا مگر قدرت نے یہ خدمت مسٹر محمد علی جناح کے سپرد کردی تھی۔

مسٹر جناح کا تدبر، سیاسی فکر، حق گوئی، بے لوثی مخالفوں کے نزدیک بھی تسلیم شدہ جوہر تھے۔ جناح نے وقت کی تمام نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے سب سے پہلی چیز جو پیش کی وہ ملت اسلامیہ کا اتحاد تھا اسوقت ملک میں مسلمانوں کی مختلف سیاسی جماعتیں موجود تھیں جو جداگانہ راستوں پر گامزن تھیں، ملت کو ضرورت تھی کہ انکا ایک ہی نظام ہو۔ لہذا مسٹر جناح نے مسلمانان ہند کے سب سے زیادہ قدیم اور واحد نمائندہ ادارہ مسلم لیگ ہی کو منظم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لئے انھوں نے۔ خلافت کمیٹی، یونٹی بورڈ، جمعیۃ علماء، مجلس اتحاد ملت مجلس احرار وغیرہ کے ذمہ دار لیڈران کو مولانا شوکت علی کی قیام گاہ

قرول باغ میں مجتمع کیا۔ اور یہ خواہش کی کہ جدید انتخابات کے لئے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں کو مسلم لیگ کے ساتھ متحد ہو کر کام کرنا چاہیے۔ ان کی اس دعوت پر سب سے زیادہ آمادگی مولانا شوکت علی اور ان کے رفقاء کار نواب محمد اسمٰعیل خاں اور چودھری خلیق الزماں نے کی۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء اور مجلس اتحاد ملت۔ احرار وغیرہ کی جماعتیں بھی متحد الخیال ہوگئیں اس مقصد کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ بنایا گیا۔ جس کا مینفسٹو بھی ان تمام جماعتوں کے نمائندگان نے وضع کیا۔ انتخابات عمومی کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے اعلان کردیا گیا۔ مسلمانوں میں جماعت کے ماتحت انتخابات کا یہ نیا اور پہلا تجربہ تھا جو مسلم لیگ نے شروع کیا۔ مگر مولانا شوکت علی اور انکے رفقائے کار وارباب جمعیۃ علماء اور دوسری مجالس کے اشتراک عمل سے مسلم لیگ کو ہر جگہ نمایاں کامیابی ہوئی۔

جمعیۃ علماء کے بعض وہ افراد جو آج کانگریس میں مل گئے ہیں۔ انتخابات کے وقت مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بناکر کہتے تھے کہ جو مسلمان مسلم لیگ میں شامل نہ ہوگا وہ جہنمی ہے لیکن تھوڑے عرصہ بعد انکے اقوال اسکے برعکس ہوگئے۔

جنرل انتخابات کے موقعہ پر کانگریسی حضرات کی روش بھی مسلم لیگ کے ساتھ کچھ بری نہ تھی۔ عام طور پر کانگریس اور مسلم لیگ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ انتخابات کے بعد دونوں جماعتیں متحدہ طور پر نظام حکومت اس طرح پر چلائیں گی کہ اقلیتی جماعتیں بھی اطمینان کے ساتھ اپنے حقوق سے مستفید ہو سکیں۔

نتیجہ انتخاب

کانگریس نے یہ دیکھ کر کہ انتخابات میں اس کو امید سے زیادہ کامیابی ہوئی. مغرورانہ روش کے ساتھ مسلم لیگ کو نہ صرف یہ کہ ٹھکرا دیا بلکہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے اسمبلیوں میں خالص ہندو راج شروع کر دیا. اسمبلی ہال میں اردو کی بجائے خالص سنسکرت کے اندر تقاریر ہونے لگیں دفاتر میں جہاں جہاں انگریزی وزارتیں تھیں گویا ہندو راج قائم ہو گیا

کانگریسی وزارتوں کے کارنامے

ساتوں صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی مسلمانوں کی جان مذہب کلچر، معابد و مساجد وغیرہ کے ساتھ جو سلوک ہوا. اسکی تفصیلات سے ہندوستان کا ایک ایک گوشہ مضطرب ہو گیا.

یو. پی. بہار. سی. پی کے اندر جس قسم کے مظالم مسلمانوں پر ڈہائے گئے اُن کے اثرات صدیوں تک زائل نہیں ہو سکتے.

کانگریس اور انگریزوں کا شریفانہ معاہدہ

کانگریسی وزارتوں کے زمانہ میں جو کچھ مصائب مسلمانوں پر آئے تھے صوبجات کے گورنران نے جو خوشی اختیار کی اسکو دیکھتے ہوئے. کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں اور کانگریس کے مابین یہ خفیہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر کانگریس انگریزوں کے خاص خاص حقوق میں مداخلت نہ کرے تو گورنران اکثریت و اقلیت کے معاملات میں مداخلت نہ کرینگے. مسلمانوں کو جہاں کانگریسی وزارتوں سے شکایت تھی وہیں گورنران کے اس طرز عمل سے سخت تکلیف تھی کہ انھوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ہوتے ہوئے کوئی مدافعت نہ کی. کیا اس طرز عمل کے بعد مسلمانوں کے قلوب میں

ان کی طرف سے کوئی گنجائش ہو سکتی تھی.

مسلمانوں کا عزم و ثبات

مقام مسرت ہے کہ ان مظالم کے باوجود اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں میں کسی قسم کی جبن پیدا نہیں ہوا. بلکہ وہ اپنی تاریخی مذہبی روایات کے ماتحت پامردی کے ساتھ ان حملوں کا مقابلہ کرتے رہے.

ضمنی انتخابات میں کانگریس کو ہزیمتیں

عمومی انتخابات کے بعد کانگریس نے برسر اقتدار آکر کبھی تو ملک کے سامنے پیٹ اور روٹی کا سوال اٹھایا کبھی متحدہ قومیت کو پیش کیا مگر اُسے اپنے ہر حربہ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا.

اب وہ اس کی بھی مدعی ہو گئی کہ مسلمانوں کے نمائندگان منتخب کرنے کا تنہا اسی کو حق حاصل ہے. مسلمانوں کے جداگانہ وجود سے بھی پنڈت جواہر لال نہرو جیسے سمجھدار شخص کی زبان سے انکار ہونے لگا. کانگریس نے لیگ کے مقابلہ میں جسقدر بھی الکیشن لڑے ان سب میں سوائے مجوزہ انتخاب کے ہر جگہ ناکامی ہوئی.

مجلس خلافت اور مسلم لیگ

انتخاب مسلم لیگ یا تنظیم مسلم لیگ کی ہر سعی میں مولانا شوکت علی اور ان کی جماعت خلافت کے ارکان کی مسلسل محنت نے مسلم لیگ کی شخصیت کو مقبول عام و خاص بنا دیا مجلس خلافت اور اس کا اخبار وعملہ مسلم لیگ کی خدمت کے لئے وقف ہو گیا مولانا شوکت علی اور مجلس خلافت کی یہ عدیم النظیر قربانیاں تاریخ مسلم لیگ میں ہمیشہ یادگار رہینگی.

مسلم لیگ کی تنظیم جدید اور دستوری تبدیلیاں

مسلم لیگ کی ابتدائی حد بندیاں انتخاب کی وجہ سے بڑھ گئی تھیں۔ مگر ضرورت ایسی بات کی داعی تھی کہ مسلم لیگ کے نظام کو تنظیمی حیثیت سے ایسا بنا دیا جائے کہ غریب سے غریب مسلمان کو اس ادارہ میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔

چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل وغیرہ نے طے کیا کہ ہر وہ عاقل و بالغ مسلمان جو [illegible] رکنیت ادا کرے، مسلم لیگ کا رکن ہو سکتا ہے۔ شہر، ضلع، صوبہ اور مرکز میں عام رائے سے نمائندگان منتخب ہوا کرینگے۔

قانون کی اس تبدیلی نے ہر مسلمان کے لئے دروازہ کھول دیا۔ بہت آسانی سے پورے ہندوستان کے اندر مسلم لیگ کا باقاعدہ اور مضبوط نظام قائم ہوگیا۔

آزادی کامل کا نصب العین

مسلمانوں کا وہ آزاد خیال طبقہ جس نے ملک کی تحریکات میں اپنی عمر کا اکثر و بیشتر حصہ صرف کیا، اور ہر قسم کی قربانیاں کرتا رہا۔ اسکا شروع سے خیال تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نصب العین میں بصراحت آزادی کامل کے الفاظ داخل کیے جائیں چنانچہ لکھنؤ کے اجلاس میں حسب تحریک مولانا حسرت موہانی آل انڈیا مسلم لیگ کے نصب العین میں آزادی کامل کے الفاظ داخل ہوگئے۔

اس تبدیلی کے بعد مسلم لیگ کی طرف آزاد خیال طبقہ تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا۔

مسلم لیگ اور کانگریس کا اصل اختلاف

مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین شروع سے اب تک یہ اختلاف چلا آ رہا ہے کہ کانگریس چاہتی ہے کہ پورے ہندوستان پر اسکا اقتدار ہو۔ وہ جس قسم کا قانون چاہے وضع کرے۔

تمام ملتیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں مسلم لیگ چاہتی ہے کہ دستور حکومت ایسا ہو جس میں مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان، تہذیب و تمدن، مذہب وغیرہ جیسے اہم معاملات میں پوری آزادی ہو اور وہ حکومت میں شریک ہو کر اپنی ملت کے حقوق پورے کرا سکیں۔

اگر مسلم لیگ ان عنوانات کے تسلیم کرانے پر اصرار نہ کرتی تو اندیشہ تھا کہ جس طرح مسلمان مغربیت سے متاثر ہو کر بہت کچھ کھو چکے ہندو تہذیب کے زیر اثر آ جاتے، یہ وہ اہم فریضہ تھا جو علمائے کرام کے لئے مختص تھا۔

کانگریس کی طرف سے مرکز کا مطالبہ

چونکہ ہندوستان کے پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت ہے اور وہ آزادی کے ساتھ اپنی ملت کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اس لئے کانگریس نے کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی کا مطالبہ کیا "تاکہ ہندو اکثریت کی بدولت مسلمان صوبوں کو اس مرکز کے ماتحت کر دیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی قوت کیساتھ اس مطالبہ کی مخالفت کی۔

تقسیم ہند یا پاکستان

حضرات! میں نے سابقہ اوراق میں کسی حد تک تفصیل سے جن مسائل کو پیش کیا اس کی

غرض فقط یہ تھی کہ آپ ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے حالات پر غور کرتے ہوئے اندازہ لگالیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانان ہندوستان کی کس طرح خدمت کی اور ہندو ذہنیت کا عام مسلمانوں کے ساتھ ہر دور میں کیا رول رہا۔ ہندو زعمائے کانگریس نے کسی وقت بھی ایسا شریفانہ معاہدہ جس پر وہ قائم رہ کر مسلمانوں کو مطمئن کرتے نہیں کیا۔ ان صورتوں میں مسلم زعماء کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایسا راستہ نکالیں جو مسلمانوں کے مستقبل کو قوی تر بنا سکے۔ سب سے پہلے اس حل کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۰ء میں ہمارے صوبہ کے مشہور مقام الہ آباد میں اپنے خطبہ کے اندر مبسوط طریقہ سے پیش فرمایا۔ پاکستان کا تصور جو علامہ نے پیش کیا تھا وہ ہندوستان سے نکل کر یورپ میں بھی مشہور ہوا۔ وہاں کے انگریزی اخبارات نے اس پر متعدد تبصرے بھی کئے۔

لیکن ہمارے ملک کے حالات کی رفتار کچھ ایسی تھی کہ اس مقصد پر فوری توجہ نہ ہو سکی پہلی بار سندھ مسلم لیگ کانفرنس میں سیٹھ عبداللہ ہارون نے اپنے خطبۂ صدارت میں اسے ظاہر کیا۔ سندھ پراونشل مسلم لیگ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پاس اپنی تجویز بھیجدی۔ اس وقت سے اس پر آل انڈیا مسلم لیگ کی سب کمیٹی غور کرتی رہی۔ کافی غور و فکر کے بعد تقسیم ہند و پاکستان کی معرکۃ الآراء اور مشہور تجویز لاہور کے تاریخی اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئی۔ چونکہ تجویز بہت طویل ہے اس لئے میں خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

اس تجویز کے اندر جو چند اہم نکات ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جہاں بلحاظ تعداد مسلمان اکثریت میں ہیں مثلاً شمالی مغربی اور ہندوستان کے مشرقی علاقوں کو آزاد ریاستوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متحد کیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک وحدت خود مختار ہو۔

(۲) ان آزاد علاقوں اور خود مختار وحدتوں کے دستور میں اقلیتوں اور ان کے مذہبی۔ ثقافتی۔ معاشی۔ سیاسی۔ انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی حفاظت کے لئے انہیں کے مشورہ سے موثر تحفظات مہیا کئے جائیں

(۳) ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں دستور میں ان کے لئے معین اور موثر تحفظات شامل ہوں تاکہ ان کے مذہبی ثقافتی اور دیگر حقوق خود ان کی مشورت سے محفوظ ہوں۔

حضرات!

پاکستان کی تجویز کی جو اہم دفعات تھیں وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیں۔ ان میں وہ کونسی چیز ہے جسے ناواجب کہا جا سکتا ہے۔ بات اتنی صاف اور سیدھی ہے کہ ہر سمجھدار اور منصف مزاج بہت آسانی سے باور کر سکتا ہے۔ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی ثقافتی۔ اور دیگر حقوق سے مستفید ہوں اور جہاں ہندو اکثریت میں ہیں وہاں وہ یہ دونوں آزاد ریاستیں اپنی اقلیت کے مذہبی۔ معاشی حقوق کو اس کے مشورے سے پورا کریں۔

یقین کیجئے کہ اگر اس اصول پر آئین حکومت وضع ہو تو ہندوستان کے باشندوں کی شبانہ روز کی خلش اختلاف بآسانی دور ہو سکتی ہے۔ مگر ہندو

لیڈران نے اس معقول تجویز کے خلاف زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور ہر قسم کے اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

پاکستان یا اسلامی حکومت

حضرات! اس عنوان کے تحت میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پوری آزادی رائے کے ساتھ یہ عرض کر دوں کہ ہمارے سامنے صرف چند ملازمتوں یا عہدہ جات کا ہی سوال نہیں ہے بلکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مغربی جمہوریت اور اس کی تعلیم نے ہم مسلمانوں کو اپنی اصل منزل سے بہت دور کر دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے آزاد منطقوں میں جہاں ہماری اکثریت ہو۔ اسلامی قوانین کے ماتحت حکومت الٰہیہ قائم کریں۔ جنہیں عدل و انصاف کارفرما ہو۔

جہاں اپنے مسلمانوں کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے جائیں جو قرآنی ارشادات کے مطابق ہوں۔ وہیں جو غیر مسلم اقلیت ہمارے صوبوں میں آباد ہو اس کو ترقی کا پورا موقعہ دیں۔ اگر ہمارے یہ جذبات بھی دوسروں کو برے معلوم ہوتے ہوں۔ تو ہوں

جب ہمارا کلچر، ہماری تہذیب اقوام مغرب اور اصنام پرستوں سے مختلف ہمارے مذہبی احکام دوسرے مذاہب سے علیحدہ۔ طریقہ زندگی۔ موت و حیات کے معمولات میں فرق۔ اور سب سے بڑی چیز یہ کہ تصور الوہیت میں دوسروں سے اشتراک نہیں تو فرمایئے۔ کہ ہمارے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ

ہم اسلامی صوبجات میں اپنی دنیا دوسروں سے علیحدہ بنائیں تاکہ اغیار و اجانب ہماری ملت کے مخصوص حقوق میں حارج اور دخیل نہ ہوں۔

مجھے ان حضرات کی حالت پر حد درجہ افسوس ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلامی حکومت کا درمیان میں نام نہ آنے پائے۔

اصل میں مغرب کے جراثیم نے دماغوں کو اس درجہ خراب کر دیا ہے۔ کہ آج اسلامی حکومت کا تصور کرنے میں طبائع خوف زدہ ہوتی ہیں۔ اسلام سے اگر حکومت سیاست کو جدا کر دیا جائے تو آپ غور کیجئے کہ یہ اسلامی تعلیم پر کس درجہ کھلا ہوا حملہ ہوگا۔ اسلام جہاں پہونچا اس نے حکومت الٰہیہ قائم کی حکومت الٰہیہ نام ہے عالم انسانیت پر رحم و کرم کا۔ اور ان قوانین کے اجراء کا جن سے دنیا قتل و غارت گری سے ہٹ کر ایک روحانی دولت سے مالا مال ہو جائے آج ہم پر بہت سے ایسے قوانین مسلط کر دیئے گئے ہیں جو اسلامی قوانین کے منافی ہیں۔ ہم پاکستان میں کم سے کم اپنے لئے وہ دستور وضع کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی احکام کے ماتحت ہو۔ یہ ہے اسلامی حکومت کا خلاصہ"

شبہات کا ازالہ

اگرچہ اب تک مسئلہ پاکستان پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات کافی طور پر دیئے جا چکے ہیں مگر پھر بھی سلسلہ شبہات جاری ہے اس لئے میں یہاں خاص خاص اعتراضات کو لیتا ہوں

(۱) کہا جاتا ہے کہ تجویز تقسیم ہند ناقابل عمل ہے جس کا کہیں وجود نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراض کرنے والا تاریخ اقوام سے بھی ناواقف ہے، آسٹریا۔ ہنگری میں جہاں ایک ہی مذہب کے پیرو عرصہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کانفرنس میں حق حکومت کے تسلیم کئے جانے پر پانچ مختلف ممالک مثلاً زیکوسلوویکیا۔ ہنگری۔ آسٹریا۔ پولینڈ

اور یوگوسلاویہ میں منقسم ہو گئے۔
عربوں آرمینیوں ۔ یونانیوں نے جنگ عظیم کے بعد علیحدہ شکل اختیار کی۔
روس میں وہاں کی مختلف قومیتوں نے پانچ مملکتیں فن لینڈ ۔ استھونیا
لیتھوانیا ۔ لیتھونیا ۔ پولینڈ بنا دیں یہی حال ہالینڈ اور بلجیم کا ہے ۔ اور اسی ہندوستان
سے برما سیلون بھی جدا کئے جا چکے ہیں ۔ خود ہندوستان کی صوبہ جاتی
تقسیم موجود ہی ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پاکستان سے ہندوستان کی آزادی ختم ہو جائیگی
ایک صدی سے ہندوستان کی قومیں برسرپیکار ہیں ۔ آج تک کسی کو آزادی
حاصل نہ ہوئی ۔ مسلم لیگ کی اس تجویز پر اگر عمل کیا جائے تو دونوں قومیں
متحدہ طور پر آزادی کا مطالبہ کرکے آزادی حاصل کر سکتی ہیں۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ حکومت اس مطالبہ کو تسلیم نہ کرے گی
حکومت تو ہمیشہ ہر مطالبہ کرنے والے کے ساتھ اپنا ایک خاص طرز عمل اختیار
کرتی ہے ۔ اور جب یہ دیکھتی ہے کہ اس مطالبہ کی پشت پر عوام کی طاقت ہے
تو بادل ناخواستہ اُسے قبول کرنا پڑتا ہے ۔ مسلم عوام کی طاقت آل انڈیا مسلم لیگ
کی اس تجویز کے ساتھ ہے ۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں حکومت کو مسلمانان
ہند کا یہ مطالبہ قبول کرنا پڑیگا۔

(۴) چوتھا اعتراض اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کو متوحش کرنے کے لئے
اٹھایا گیا ہے کہ انھیں ہجرت کرنا پڑے گی لاہور کی تجویز میں کسی جگہ بھی
ہجرت کا سوال نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہوگی ۔ مسلم لیگ نے اقلیتی صوبوں

کے مسلمانوں کے واسطے تحفظات کا مطالبہ کیا ہے نہ کہ ہجرت کا۔
حضرات ! آپ فریق مخالف کے پیدا کردہ توہمات میں مبتلا نہ ہوں پاکستان
ہم نے اپنے فائدہ کے لئے تجویز کیا ہے اس میں مخالفین کی طرف سے جو کچھ
کہا جا رہا ہے وہ اس کی دلیل ہے کہ وہ بھی پاکستان کے مسلمانوں کے لئے مفید
سمجھتے ہیں ورنہ مخالفت کیوں کرتے۔

پاکستان کے فوائد

(۱) یہ تجویز ہندوستان کے دستوری اور فرقہ وارانہ مسئلہ کا بہترین حل ہے۔

(۲) اس کے ذریعہ ہندوستان کی ہر قومیت کو ایک وطن ملجاتا ہے جہاں
وہ آزادی سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔

(۳) اس کے ذریعہ اقلیتی اقوام اکثریت والی قوموں کی دستبرد سے محفوظ
ہو جاتی ہیں۔

(۴) اس تجویز پر عملدرآمد ہو تو جملہ اقوام متحد ہو کر آزادی کامل کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

مجلس احرار سے خطاب

میں مجلس احرار کے بعض ذمہ دار حق گو
اکابر کے ان اعلانات کا جو انھوں نے
کانگریسی ذہنیت اور پاکستان کی حمایت میں فرمائے خیر مقدم کرتے ہوئے درخواست
کرونگا کہ یہ حضرات سابقہ اختلافات کو فراموش کرکے پاکستان جیسے اہم مقصد
کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ سے تعاون فرمائیں اور اپنی عملی قوتوں سے ملت
اسلامیہ کے بقا و تحفظ کے مسائل کو حل فرمانے میں ہماری اعانت کریں ۔ آل انڈیا
مسلم لیگ کا پلیٹ فارم ہر مسلمان کے لئے کھلا ہوا ہے ۔ جو شخص بھی مسلم لیگ کی رکنیت

قبول کرے وہ اس ادارہ سے اپنی قوم کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے جس کے لئے نہ کسی تجارتی سودے کی ضرورت ہے نہ شرائط و مفاہمت کی۔

مسلم لیگ کے اصول پر کاربند ہونا اور اسکے حلقہ میں شامل ہو جانا ہی تمام راستے کھولدیگا۔ میری دلی دُعا ہے کہ وہ اوقات جلد آئیں جبکہ ہمارے دیرینہ رفقائے کار مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مجتمع ہو کر ملتِ اسلامیہ کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دیں۔

کارکنانِ مسلم لیگ اور نوجوانانِ ملت سے خطاب

حضرات! آپ نے میرے خیالات کو جس سکون اور توجہ کے ساتھ سنا میں صمیمِ قلب کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کارکنانِ مسلم لیگ اور نوجوانانِ ملت سے درخواست کرتا ہوں کہ پاکستان ہماری سیاسی زندگی کا وہ بنیادی عنوان ہے جس کے لئے ہمیں ہر قسم کی تکالیف کے لئے تیار ہونا چاہیے۔ اس تجویز کے دامن میں ہماری آزادی کا مستقبل پوشیدہ ہے۔

آج ہمارے آبا و اجداد کی مقدس ارواح ہم سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہیں کہ ہم نے ہندوستان میں انتہائی قربانیاں کر کر حکومت اسلامی کو قائم کیا کاش ہمارے اخلاف بھی اسی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کی تاریخ نوجوانوں کی مساعی سے لبریز ہے۔

اگر غازی محمد بن قاسم جیسا نوجوان اپنے چند سو ساتھیوں کے ساتھ محیطِ ہند پر اسلامی پرچم لہرا سکتا ہے تو کیا اے نوجوانانِ ملت تم پاکستان نہیں بنا سکتے

یقین کرو کہ اگر تمہاری ہمتیں بلند ارادے قوی ہوں تو تم پورے ہندوستان میں انقلاب عظیم برپا کر سکتے ہو۔ ضرورت اس کی ہے کہ تمہارے اندر مذہبی جوش و ولولہ ہو۔ اور نظم و ضبط کے جذبات۔ اپنے قائد کی ہدایات پر کاربند ہونا تمہاری ترقی کا پیش خیمہ ہوگا جو امر جماعتی حیثیت سے مسلم لیگ طے کرے تم اسپر پورے جوش کے ساتھ کاربند ہو۔

آج اگر تمہاری جماعتیں اپنے اپنے ضلع میں ہفتہ کے اندر صرف ایک دن مسلم لیگ کی تنظیمی و تعمیری ضرورتوں کی تکمیل پر خرچ کریں تو ہر ضلع کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔

ہر شہری اور ضلع لیگ کے نظام میں تمہاری ہمتیں شامل ہوں۔ تو یقین کرو کہ وہ عناصر جو بعض وقت جماعتی فیصلہ جات سے منحرف ہوتے ہیں ان کو انحراف کی جرأت نہ ہو۔ یہ اسکا نتیجہ ہے کہ ہمارے نوجوان کاموں کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے حالات بتا رہے ہیں کہ اب متضاد عناصر لیگ میں نہیں رہ سکتے ہیں جو شخص بھی شامل ہوگا اُسے جماعت کے فیصلہ کا پابند ہونا پڑیگا۔

اب میں آپ سے دُعا کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کے مقاصد کو پورا فرمائے۔

فقیر محمد عبدالحامد القادری البدایونی
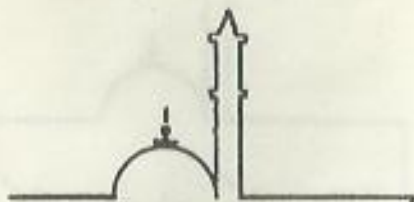
زندۂ جاوید ہیں تیرے فدائی، جاں نثار
جن کے دم سے آئی اس صحرائے اعظم میں بہار
جن کے خونِ دل سے تاریخیں بنی ہیں زرنگار
شاہدِ عظمت ہے جن کی گردشِ لیل و نہار
محفلیں آبادِ ذکر و فکر جن کی شام سے
رزم گاہیں لرزہ بر اندام جن کے نام سے
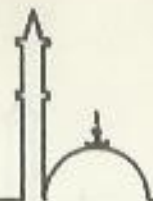
عزم وہمت کی چٹانیں، پیکرِ صبر و رضا
جاں نثارانِ نبوت، عاشقانِ مصطفےٰ
آزمائش کے لیے تیار مردانِ وفا
حق کی خاطر سر کٹانے والے خاصانِ خدا

حُسن کو جن کے نیازِ عاشقی پر ناز تھا
ہر نظر جن کی کرشمہ، ہر نفس اعجاز تھا

دِل ایوبی ٹونکی

تحریکِ پاکستان میں
مولانا عبدالحامد بدایونی
کے کردار کی ایک جھلک

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی کی بے مثال نگارشات

- ہندو حکمرانی کا ہولناک تجربہ
  قیمت ۳۰/- روپے
- اسلام اور بالشویزم
  قیمت ۳۰/- روپے
- اسلام کا معاشی نظام اور سوشلزم کی مالی تقسیم
  قیمت ۲۰/- روپے
- مولانا عبدالحامد بدایونی کی ملی و سیاسی خدمات
  از: سید نور محمد قادری
  قیمت ۳۰/- روپے

ادارہ پاکستان شناسی کی مطبوعات حاصل کرنے کے لیے
اورینٹل پبلیکیشنز: مین بورڈ، میلاد امام پارک، گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7213678